Volume:15 Issue:10 October 2022

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں ۔ ادارہ

محبت کی بے تابیاں کچھ نہ پوچھو

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (سورۃ التوبۃ)

ترجمہ: لوگو! تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے جو مومنوں کے لئے انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے۔

توضیح: اس امت پر بلکہ کائنات کے ہر ذرہ پر قدوتنا، امامنا، قرار قلوبنا، فداہ ابونا و امنا حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگنت احسانات ہیں بالخصوص انسانوں پر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کی ایک ایک نوع کو اس کا مقام ومرتبہ دلوایا، انسانوں پر مقام انسانیت کو واضح کیا، اپنی غایت رأفت ورحمت سے ہر فرد بشر کو فلاح و کامرانی کا راستہ بتلایا، جس نے راہ فلاح وہدایت کو اپنالیا آپ نے اس کو عزیز از تر جاں بنالیا اور جس نے اس راہ سے منھ موڑا عمر بھر اس کی ہدایت کے تعلق سے فکر مند رہے، اس کی گمراہی سے رنج اٹھایا، اپنی امت سے اتنی محبت کہ شاید کہ کوئی ماں اپنے بچے سے کی ہو، راتوں میں اٹھ کر بلبلانا، دعاؤں میں آہ وزاری کرنا، ہر نماز کے بعد اپنی امت کی مغفرت کی دعا کرنا، بستر پر کسی کروٹ قرار نہ پانا، اپنے دانت شہید کروانا، اپنی صاحبزادیوں کے بیک وقت نکاح سے خارج ہونے کو برداشت کرنا، اپنی حاملہ بیٹی کو شکم پر برچھی کے وار کے سبب تڑپتا ہوا دیکھ کر سہہ لینا، جسم کا لہولہان ہوجانا، لقمہ زہر کا دھوکے سے کھالینا، سحر کے اثرات سے بے قرار ہوجانا، راہ میں کانٹوں کا بچھا دیا جانا، حالت سجدہ میں اوجھڑی کا ڈالا جانا، اس پر آپ کی ننھی صاحبزادی کا ننھے ہاتھوں سے اس غلاظت کو صاف کرنا، پھر اپنے والد کی طرف اشک بار نگاہوں سے دیکھنا اس منظر پر آپ کے جی کا بھر آنا، کبھی منازعہ کا سامنا کرنا، کبھی مقاطعہ کے روح فرسا مظالم کا تحمل کرنا، وطن سے بے وطن ہونا---یہ سب کس لیے تھا؟ یقیناً

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس

اس امت کی ہدایت کی چاہت میں تھا اور جب بات اہل ایمان کی آجاتی ہے تو یہی چاہت حرص میں بدل کر دوآتشہ ہو جاتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اٹوٹ محبت تھی اپنوں سے بھی اور غیروں سے بھلا کیا کوئی ماں اپنی کوکھ سے جنم لینے والے بچے سے اتنی محبت کرتی ہے؟ کہ وہ اس کے لیے اس قدر قربانیاں دے اللہ اکبر! کیا جگر اور کس قدر وسعت ظرفی رہی ہوگی، غالباً یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان کا کمالِ ایمان موقوف ٹھہرا نبی سے اشد محبت پر، حلاوت ایمان کا احساس، شفاعت خاص کا حصول بھی اسی کا مرہونِ منّت بنا۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

عشاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہی بے لوث قربانیوں کی وجہ سے گرویدہ ہو کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کے خلاف حبہ برابر ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی بالکل برداشت نہیں کر سکتے صحابہ کرامؓ کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگ کے حد تک محبت تھی، ابن مسعود ثقفیؓ نے مقام حدیبیہ پر عشاقِ رسول کے عشق ووارفتگی کے ایمان افروز، روح پرور مناظر دیکھے تو بے ساختہ شہادت دینے لگے کہ میں نے قیصر وکسریٰ کے درباروں میں بادشاہوں کا ادب واحترام ہوتے دیکھا ہے (اس مشاہدے کی بنا پر کہتا ہوں) کہ جس قدر اصحابِ محمد۔۔محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اس قدر کوئی قوم اپنے بادشاہ کی نہیں کرتی، یہ تو وہ حق ہے جو امت پر اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لازم کیا گیا ہے؛ قرآن مجید نے امت پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار حقوق ذکر فرمائے ہیں: (۱) ان پر ایمان لے آؤ، (۲) ان کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ، (۳) ان کی مدد کرو، (دین پر چل کر، ناموس کا دفاع کرتے ہوئے، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشش کرتے ہوئے) (۴) قرآن وسنت کی پیروی کرو۔ یہ چار حقوق ہی فوز وفلاح کے ضامن ہیں۔صحابہ کرامؓ نے راہ محبت میں عشق ومستی کی ایسی نادر مثالیں پیش کی ہیں جو غیر عشاق کی سمجھ سے وراء الوراء ہیں، آگ میں کودنے کے لیے وہ تیار، سمندر میں غوطہ زنی کے لیے وہ مستعد، زخم خوردہ ہیں پھر زخم کھانے کے لیے راضی، حکم ہجرت کے آگے سراُن کا خم، نبی کا کردار اپنانے میں وہ پیش پیش، نبی کی گفتار کے وہ محافظ، فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر، ادائیں لاکھ اور بے تاب دل ایک، یہ گرویدگی، وارفتگی کیوں نہ ہو، آپ اپنے کمال میں باکمال، جمال میں بے مثال، نوال میں بے لامثال، جب آپ کی ذات ان تمام اسباب محبت میں بے نظیر ہے تو پھر یہ آرزو انگڑائی لیتی ہے۔

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از شوق حضوری طول دادم داستانے را

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کا عملی نمونہ ہے

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ زُرَارَةَ أَنَّ سَعَدَ بنَ هِشَامٍ قَالَ: قُلْتُ: يَا أُمَّ المؤمِنِينَ أَنْبِئِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَتْ: أَلَستَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: بَلٰى، قَالَتْ: فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ ﷺ كَانَ الْقُرْآنَ (رواہ مسلم: ۷۴۶)

ترجمہ: سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا: اُم المومنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق مبارکہ کے بارے میں بتلائیے، انہوں نے کہا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! پس انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق قرآن ہی تھے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وکردار قرآن کا عملی نمونہ ہے)۔

تشریح: آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل اہلِ عرب کی صورتِ حال پر نظر ڈالتے ہیں تو تاریخ عالم شہادت دیتی ہے کہ یہ لوگ دین وایمان اور اخلاق وصفات کی روشنی سے محروم تو تھے ہی، انسانیت وآدمیت کے نام کی بھی کوئی چیز اُن میں نہ تھی، خداوند عالم نے علم وہدایت سے بے خبر اور بے راہ اپنے اِن بندوں کو ہدایت وانسانیت کے ارفع واعلیٰ مقام پر فائز کرنے کے لئے محبوب رب العالمین سرورِ کونین سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا؛ جن کے نبوت ورسالت کے فرائضِ منصبی میں ''تزکیہ قلوب انسانی'' کو بھی شامل فرمایا، دوسرے لوگوں کے قلوب کو کفر وشرک کی نجاستوں اور معصیت ونافرمانی کی ناپاکیوں سے پاک وصاف کر کے اُن کو معرفتِ رب وحبِّ خداوندی کے نور سے منور کرنے کے لئے خود کا مجلّٰی ومصفّٰی ہونا کس حد تک ضروری ہے، یہ کسی بھی حامل عقل وفہم پر مخفی نہیں ہے۔

اِس کام کے رفیع الشان اور عظیم المرتبت ہونے ہی کی بنا پر اللہ پاک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''تعلیم وتادیب'' خود فرمائی، ''علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی'' پھر اُنہیں اپنے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

خلقِ عالیہ اور صفاتِ حسنہ سے ایسے آراستہ اور مزین فرمایا کہ اپنی یہ شہادت بھی قرآن مجید میں ثبت فرما دی ''وانك لعلى خلق عظيم ''اسی ''خلقِ عظیم'' اور ''تعلیم وتادیب'' کے حسن کی بنا پر محبوب ﷺ کو سارے بندوں کے لئے قابلِ قبول نمونہ اور اسوہ بنایا ''لقد كان لكم في رسول الله ﷺ أسوة حسنة''

سیرت وکردار کی عمدگی، احوال وصفات کی سلامتی، عادات واطوار کی پاکیزگی حسنِ اخلاق کا وہ اعلیٰ معیار ہے جس کی نہ صرف تعریف وتوصیف کی گئی ہے؛ بل کہ اُسے اپنانے اور حاصل کرنے کی ترغیب وتاکید بھی کی گئی ہے، حُسنِ اخلاق کے اعلیٰ وارفع مقام پر نبی پاک ﷺ فائز تھے، حدیث مذکور میں سیدہ عائشہؓ نے یہی بات سائل کے سوال کے جواب میں نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا آپ ﷺ کے اخلاق ہی قرآن ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جتنے امور کو مستحسن فرمایا، اور اُس کی طرف دعوت دی اُن تمام اُمور سے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس آراستہ تھی، اور جتنے کاموں سے منع فرمایا اور اُس سے اجتناب کی تاکید فرمائی اُن تمام کاموں سے آپ ﷺ کی ذاتِ اطہر دور اور نفور تھی، یہی وجہ ہے کہ مکارمِ اخلاق میں آپ ﷺ کامل ومکمل تھے، حیا وپاک دامنی، ایفاءِ عہد ووعدہ، رحم وکرم، عفو ودرگذر کا حلم وضبط، صدق ودیانت، صبر وثبات، غریبوں اور ضعیفوں کے ساتھ خیر خواہی، مظلوموں کی فریاد رسی، بیماروں کی تیمار داری، جنازوں میں حاضری، بدخواہوں کے ساتھ خیر خواہی، عزت وآبرو جان ومال تک کے دشمنوں کو کھلے دل سے معافی، یہ اور اِن جیسے تمام نیک صفات سے نبی پاک ﷺ کی ذات مقدسہ متصف تھی، جس کی شہادت زوجۂ مطہرہ صدیقہ عائشہؓ نے اِس جملے سے دی ''کان خلقه القرآن''

اے خاور حجاز کے رخشندہ آفتاب		صبحِ ازل ہے تیری تجلی سے فیضیاب
شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب		نازاں ہے تجھ پر رحمتِ دارین کا خطاب

حضور ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کو پڑھنے کے بعد امتی ہونے کی حیثیت سے ضروری ہے ہم اِن اخلاقِ مبارکہ سے باطنی احوال کو پاکیزہ بنائیں، کہ حسنِ اخلاق ہی سب سے بڑی دولت ہے، اِس دولت کو حاصل کرنے کے لئے نبی رحمت ﷺ کی سیرت کا نہایت اہتمام سے مطالعہ کریں، اُس کے ساتھ اہل اللہ کی صحبت ومعیت نسخۂ اکسیر ہے؛ کہ اِسی ذریعہ سے بلند اقدار اور عالی اخلاق کا حصول ممکن ہے۔

ربیع الاول کا مہینہ ہمارے نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے، اِس مبارک مہینے میں ہر مسلمان کے دل میں نبی پاک ﷺ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے؛ اس بہانے سے پوری سیرتِ پاک نہ سہی صرف وہ حصہ جس میں حضور انور ﷺ کے مبارک اخلاق وعادات کا ذکر ہے ہر مسلمان کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

پیش گفتار

مُرشدی سعید الملت حضرت مفتی سعید احمد صاحب پرنامبٹیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وبہ نستعین

۲۸؍اگست ۲۲ء کو کرنول میں اصلاحی مجلس تھی، صبح جلدی نکل گیا تھا، ظہر بعد مجلس سے فارغ ہوکر سیدھے حیدرآباد واپس آ گیا تاکہ آج کا سبق ناغہ نہ ہو، پہنچنے تک عشاء کی جماعت کا وقت ہو چکا تھا، نماز ادا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہمارے حضرت کے بہت ہی چہیتے مرید ومجاز محترم معین الدین شاہ صاحب بار بار فون کر رہے ہیں اور رابطے کے منتظر ہیں، میں نے فون لگایا تو انہوں نے گلوگیر آواز میں بہت ہی ضبط کے ساتھ بتایا کہ ''حضرت والا اب ہمارے درمیان نہیں رہے'' خبر تعجب خیز تو نہیں تھی غم انگیز ضرور تھی، تعجب خیز اس لئے نہیں کہ کافی عرصے سے حضرتؒ صحت کے اعتبار سے سخت آزمائشی دور سے گذر رہے تھے، گذشتہ چند دنوں سے تو اور بھی زیادہ تکلیف دہ صورتِ حال تھی، غم انگیز ہونے کی وجہ کیا بتاؤں؟ حضرت محی السنہؒ کے بعد سے میرے لئے ماویٰ وملجا اور سر کا سایہ وہی تھے، خیر! خبر کی تحقیق کے بعد میں نے حضرت کے بڑے صاحبزادے مفتی رشید احمد سلمہ اللہ کو فون کر کے تعزیتِ مسنونہ پیش کی اور جنازے کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ باوجود چاہنے کے مقامی لوگ انتظامًا رات میں تدفین کے لئے راضی نہیں ہیں، گھنٹہ دو گھنٹہ کے اندر ہی لوگوں کا اژدہام کافی ہوگیا ہے، اس لئے دن میں ۱۱ بجے نماز جنازہ کا اعلان کیا گیا ہے۔

محترم معین الدین صاحب تو مجھ سے اجازت لے کر اسی وقت پرنامبٹ کے سفر پر روانہ ہوگئے، میں اپنے پروگراموں کی وجہ سے کافی سوچتا رہا، خیال ہوا کہ نمازِ جنازہ میں شرکت اور دعائے مغفرت کے لئے اگرچہ اتنا لمبا سفر کر کے جانا کوئی ضروری نہیں لیکن حضرت کے صاحبزادگان اور متعلقین کی تسلی وتشفی کے لئے تو مجھے —— پُرانے لوگوں میں سے ہونے کی وجہ سے —— وہاں پہنچنا چاہیئے۔ گوگل پر حیدرآباد سے پرنامبٹ کی

مسافت معلوم کیا تو سفر کے لئے وقت کافی معلوم ہوا، عشاء کی سنن سے فارغ ہوکر منتظر طلبہ کو سبق پڑھایا اور ٹھیک ۱۲؍ بجے شب حیدر آباد سے پرنامبٹ کے لئے اپنے بیٹے مفتی عبدالملک انس سلمہٗ اور چند رفقاء کے ہم راہ پا بہ رکاب ہوگیا، حضرت مولانا امیر اللہ خان صاحب مدظلہٗ نے فون کیا تھا کہ مجھے بھی ساتھ لے لیں، چناں چہ محبوب نگر سے انہیں لیتے ہوئے رات تمام سفر جاری رکھا، صبح کی نماز اور ضروریات سے فراغت کے لئے باگے پلی میں شاہ راہ سے متصل مدرسہ روح الاسلام پر توقف کیا، نماز پڑھنے تک مہمان خانے کے نگران نے چاء بسکٹ کا بندوبست کر دیا تھا، اس سے فارغ ہوکر نکل ہی رہے تھے کہ مدرسے کے ایک مخلص ومحب استاذ نے قریبی ہوٹل سے تازہ ناشتہ گاڑی پر پہنچا دیا، خوشی ہوئی کہ کہیں رُکنا نہیں پڑے گا، الحمدللہ مسلسل چلتے ہوئے 661 کیلو میٹر کی مسافت صبح ساڑھے نو بجے مکمل کر لی، اطلاع تھی کہ جنازہ گھر سے ساڑھے نو بجے نکل جائے گا اس لئے گاڑی عیدگاہ کے قریب روک کر قریبی مسجد میں طہارت وچاشت سے فارغ ہوکر عیدگاہ پہنچ گئے، اس وقت تک جنازہ عیدگاہ پہنچ چکا تھا اور مغربی دیوار کے قریب کچھ بلندی پر رکھ کر دوطرفہ لکڑی کی ریلنگ میں شائقینِ دیدار کو دیدار کے لئے چھوڑا جارہا تھا، ہم لوگوں نے بھی سرسری دیدار کر لیا کہ مجمع کو روکنا مشکل تھا، دیکھتے دیکھتے وسیع وعریض عیدگاہ مسلمانوں سے بھر گئی، لوگوں کے آنے کا سلسلہ تھا کہ ختم ہو ہی نہیں رہا، ۱۱؍ بجنے والے تھے میں نے حضرت کے داماد مفتی صلاح الدین صاحب زیدمجدہٗ (مہتمم دارالعلوم آمبور) سے عرض کیا کہ بعض لوگ دو تین گھنٹوں سے ٹھیرے ہوئے ہیں، زیارت کا یہ سلسلہ موقوف کر کے صفیں درست کروایئے ورنہ دیر سے ٹھیرے ہوئے لوگوں کو تکلیف ہوجائے گی، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا اور ٹھیک ۱۱؍ بجے جنازے کو آگے کر کے صفیں درست کر لی گئیں، حضرتؒ کے فرزند اکبر مفتی رشید احمد صاحب مظاہری کی امامت میں مسلمانوں کے جمِ غفیر نے نماز جنازہ ادا کی۔

نمازِ جنازہ کے فوراً بعد جنازہ مسجد چوک سے متصل قبرستان کی طرف لے جایا گیا، جہاں حضرتؒ کے اکابرِ خاندان مدفون ہیں اور وہیں حضرت رحمہ اللہ کی بھی تدفین ہونی تھی، جنازے میں قصبۂ پرنامبٹ کے علاوہ اطراف واکناف حتیٰ کہ سیلم، ہاسن، بنگلورو میسور اور مدراس وحیدرآباد تک کے لوگ شریک تھے، پرنام بٹ میں قدیم زمانے سے ایک بڑی تعداد غیر مقلدین کی بھی ہے، یہ لوگ اور ان کے نوجوان بھی باوجود اختلافِ مسلک جنازے کے ساتھ سراپا حسرت وغم بنے اشک بار آنکھوں کے ساتھ شامل تھے، تدفین کے لئے حضرتؒ کے بعض خویش وخاص افراد طئے کر دئے گئے تھے، ان حضرات نے سنت کے مطابق آپ کے جسد خاکی کو سپردِ خاک کیا، چوں کہ قبرستان میں جگہ بہت تنگ تھی اس لئے شرکاء کو مسجد چوک میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا تھا، اور یہ اعلان بھی نمازِ

جنازہ سے قبل ہو چکا تھا کہ تدفین کے بعد راقم سطور حاضرین و متعلقین سے تعزیتی خطاب کرے گا، مسجد پہنچے تو چوک کی وسیع وعریض مسجد متعلقین اور سوگواروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، نظام کے مطابق ایک مختصر خطاب کے ذریعے راقم نے رضا بالقضا، صبر وثبات اور دین پر استقامت کی تلقین کی، بدعات ورسومات سے اجتناب کرتے ہوئے حضرتؒ کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیوں کو گذارنے کی طرف توجہ دلائی، دعا کے بعد مجمع منتشر ہوگیا، ظہر کے بعد ہم لوگوں نے بھی آرام کیا، مغرب بعد خانقاہ میں حاضری ہوئی، مفتی صلاح الدین صاحب زید مجدہٗ نے فرمایا کہ حضرتؒ کے خلفاء میں اس وقت آپ ہی سینئر اور قریبی ہیں، ہم آپ ہی کے رائے پر اگلے اُمور چھوڑ دیتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ مدرسہ وصیۃ العلوم کا مسئلہ شوریٰ طئے کرے گی، مسجد چوک کا معاملہ بھی مسجد کمیٹی کے ذمّے ہے، حضرتؒ کی نیابت اور خانقاہ کی نظامت کے بارے میں میرا مشورہ ہے کہ حضرت کے خلف الرشید مفتی رشید احمد مظاہری کے ذمّے رہے، یہ مشورہ روایتاً یا رسماً نہیں، الاستاذ المخدوم حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کی تربیت واجازت کی بنا پر ہے، مولانا امیر اللہ خان صاحب مدظلہ اور محترم معین الدین صاحب اور بھی چند مخلصین نے اس سے اتفاق کیا، عزیز موصوف کو تأمل ہونے کے باوجود میں نے خانقاہ میں موجود ایک بڑی تعداد کے سامنے اس کا اعلان کردیا اور بتلادیا کہ مناسبت طبعی کی بنیاد پر حضرت کے مریدین میں سے جو چاہیں عزیز موصوف سے رجوع کرلیں، خانقاہ کا نظام ان کی نگرانی میں علی حالہ چلتا رہے گا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرتؒ کے سب ہی مناصب عزیز موصوف کے سپرد ہوگئے ہیں، اور سب ہی کام بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہیں، **جعله الله خير خلَف من خير سَلَفٍ** ۔ بعد ازاں رفیق قدیم مولوی نور الہدیٰ مظاہری کے گھر عشائیہ سے فارغ ہوکر بنگلور کے لئے روانہ ہوگیا، عزیزم حافظ حیات خان صاحب کے مدرسے میں رات کو قیام رہا، فجر بعد مسجد میں مولانا امیر اللہ خان صاحب مدظلہ نے مختصر نصیحت کی، ناشتہ کرکے حیدرآباد کے لئے روانہ ہوکر عشاء کے قریب مدرسہ پہنچ گیا۔ **والحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات**

مرشدی ومحبی حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پرنام بٹ کے ایک علمی، عملی وروحانی خاندان کے چشم وچراغ تھے، اُن کے والد گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء) اکابر اولیاء میں سے تھے، علم وعمل تدین وتقویٰ میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے، مسلک ومشرب میں اکابر دیوبند کے سختی سے پابند تھے، علوم دینیہ کی ابتدا اپنے ہی علاقے اور خاندان کے علماء سے کی تھی اور تکمیل مدرسہ معدن العلوم وانم باڑی سے فرمائی تھی، سلوک کے لئے پہلے حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بہ ذریعہ

مکاتبت بیعت واستفادہ کیا، ان کی معذوری کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے رجوع ہوئے، مفتی صاحبؒ کی ہجرت پاکستان کے بعد ان ہی کے ایماء واشارے پر مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی تربیت میں داخل ہوئے، انہوں نے آپ کے احوالِ رفیعہ، تمسّک بالسُّنہ اور استقامت علی الشریعہ کو دیکھتے ہوئے جلد ہی اجازت وخلافت عطا فرمادی، اس کی اطلاع ملنے پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی آپ کو اپنا مجاز وخلیفہ قرار دیا۔ اپنی ۶۴ سالہ حیاتِ مبارکہ میں حضرت کے والد ماجدؒ نے اپنے ہی مقام پر رہ کر وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جو ایک جماعت سے بھی مشکل ہے، تعلیم وتدریس؛ افتاء وارشاد؛ اصلاحِ معاشرہ؛ تلقین وتربیت؛ فصل قضایا جیسے محاذوں سے پورے علاقے کے مسلمانوں کو فیض یاب کر کے دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے، اُن کے تعلق مع اللہ اور فکرِ آخرت کا کیا حال تھا اس کا اندازہ زندگی کے آخری ایام میں فقیہ النفس حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو لکھے گئے درجِ ذیل عریضے سے کیا جاسکتا ہے۔

> ''میں حضرت والا کی دعاؤں کا سخت محتاج ہوں، میری عمر کا کافی حصہ گذر گیا ہے، ساٹھواں سال شروع ہوگیا ہے، میرے پاس بجز میرے بزرگوں کے حسنِ ظن کے اور کوئی ذخیرۂ آخرت نہیں ہے، بے توشہ ہوں، حق تعالیٰ کی ستاری وفضل ہر ہر موقع پر شروع سے اب تک شامل حال رہا، ورنہ کوئی مجھے منہ تک نہ لگاتا، آئندہ دنیا سے زیادہ بہ وقت موت، اس سے زیادہ برزخ میں، اس سے زیادہ حشر میں اور جنت میں داخل ہونے تک، میں اس ستاری وفضل کا سخت محتاج ہوں، حضرت والا اِن تمام چیزوں کے لئے میرے حق میں دعا فرماتے رہیں گے تو بڑی ہی بندہ نوازی ہوگی، یہ باقی ماندہ زندگی خالصتاً لوجہ اللہ ہوجائے، اور مافات کے لئے کفارہ بن جائے، اور خاتمہ ایسی حالت میں، کامل ایمان پر حق تعالیٰ کی کامل رضامندی کے ساتھ ہو کہ دل میں دنیا کی کوئی خواہش اور تمنا باقی نہ رہے، کسی کا حق میرے ذمہ باقی نہ رہے، سب اہل حقوق مجھ سے خوش رہیں، حق تعالیٰ سے ملنے کا شوق قلب پر غالب رہے، اور یہ باقی ماندہ زندگی عافیت کے ساتھ گذر جائے''

ہمارے حضرت رحمہ اللہ ایسے عظیم المرتبت علمی وروحانی شخصیت کے بیٹے تھے، آپ کے چھ اعمام تھے سب کے سب علماء وصلحاء تھے، راقم الحُروف کو اُن میں سے دو کی زیارت اور شرفِ صحبت حاصل رہا، ایک حضرت مولانا مفتی نثار احمد صاحب قاسمی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۴۰۸ھ م ۱۹۸۸ھ) جو مدرسہ وصیۃ العلوم کے شیخُ الحدیث اور جید عالمِ دین تھے، شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ

وغیرہ اساطین علم وفن اور ماہرین عقل ونقل سے چار سال تک دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں بھرپور استفادہ کرتے رہے، طریقت میں پہلے حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ سے مکاتبت شروع کی تھی مگر جب حضرت نے اخیر عمر میں اصلاح وتربیت کا کام ضعف ونقاہت کی وجہ سے موقوف فرما دیا تھا تو حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحبؒ سے رجوع ہوئے، پھر جب مہتمم صاحبؒ کے اسفار کی کثرت رہنے لگی اور تسلسلِ مکاتبت متعذر ہو گیا تو مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے رجوع ہوئے، ان کا بھی سفر حج کے دوران وصال ہو گیا تو اپنے برادرِ کبیر حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ ہی کو اپنا پیر ومرشد منتخب کر لیا، انہوں نے ہی تکمیل سلوک وتربیت اور اطمینان دین ودیانت کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ راقم سطور کو حضرت مفتی نثار احمد صاحب قاسمیؒ کے دروسِ بخاری میں شرکت؛ مجالس اصلاحی میں حاضری اور حضرت کے ساتھ ہم طعامی کا شرف بھی حاصل رہا، بلند پایہ عالم دین ہونے کے باوجود نہایت سادہ مزاج اور ملنسار وخوش گفتار بزرگ تھے، اُن سے مل کر دل مرعوب اور نفس محظوظ ومتأثر ہوتا تھا، آپ کے بڑے فرزند مولوی محمد شفیع صاحبؒ (استاذ فارسی ادب مدرسہ رفیق العلوم آمبور) بھی اخیر تک اس عاجز سے بہت محبت واحترام کا معاملہ فرماتے تھے، وہ بھی نہایت خاموش مزاج وعافیت پسند آدمی تھے۔ غفر اللہ لھما ورحمھما

دوسرے مولانا فضل الرحیم صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹ ۱۴ھ م ۱۹۹۸ء) ماشاء اللہ حافظ قرآن ہی نہیں عاشق قرآن تھے، اپنے خاندانی اکابر ہی سے درسِ نظامی مکمل کر کے فارغ التحصیل ہوئے، حینِ حیات مدرسہ وصیۃ العلوم پرنامبٹ کے ناظم الأمور رہے، ابتداءً میری پرنامبٹ کی حاضری محض زیارت ولقاء اکابر ہی کی غرض سے ہوتی تھی، جس کے اصل محرک رفیقِ محترم حافظ سید حقانی صاحب اعمیٰ مرحوم ہوا کرتے تھے، پرنامبٹ میں مولانا فضل الرحیم رحمہ اللہ کے پاس ہی ہمارا سب سے زیادہ وقت گذرتا تھا، ان کی مجلس میں بس اکابر دیوبند کا تذکرہ چلتا رہتا، ان ہی کے واقعات اور ملفوظات سنایا کرتے تھے اور بہت دل چسپ انداز میں سناتے تھے، وقفے وقفے سے چاء منگواتے اور سلسلہ کلام جاری رکھے ہوتے تھے، راقم آثم کو ایسی مجلسوں سے طبعی لگاؤ تھا اس لئے خوب محظوظ ومستفید ہوتا رہتا تھا، پھر حضرت کی خواہش پر متعدد مرتبہ دولت کدہ پر حاضری اور عشائیہ سے استفادہ کا موقع بھی ملا (یہ بات میں نے پرنام بٹ کے تمام ہی علماء ومشائخ اور حفاظ وائمہ میں دیکھی کہ وہ بہت ہی فیاض ومہمان نواز ہیں)۔ حضرت فضل الرحیم رحمہ اللہ کے وسیع العلم، وقیع الحلم باوقار وخوش گفتار صاحبزادے حضرت مولانا ذاکر رحیمی صاحب رحمہ اللہ جو اپنے والد کے لائق شاگرد وفائق جانشین تھے اور ہمارے حضرت رحمہ اللہ کے بہنوئی بھی تھے، ہمارے ساتھ ہمیشہ مہربانی وکرم کا معاملہ فرماتے تھے، اپنے والد سے ہمارے تعلق

کو ان کے بعد برابر نباہتے رہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

انہی چند بزرگوں کے احوال سے ہمارے حضرتؒ کے خانوادے کے علمی و روحانی پس منظر کا اندازہ کر لیا جا سکتا ہے، کیوں کہ اگر حضرت کے اعمام واخوال اور ان کی اولادوں میں مرحوم وموجود علماء ومشائخ کا اگر تذکرہ کیا جائے تو وہ خود ایک مستقل تاریخ بن جائے گا، اس لئے اس میں زیادہ دخل دیۓ اور مضمون کو طویل کئے بغیر آگے بڑھ جانا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کا اسم گرامی سعید احمد بن مفتی محمود حسن بن مولانا نذیر حسین بن قاضی بشیر الدین بن عبدالرحیم ہے، عبدالرحیم کا نسب شیخ احمد فقیہ بیجاپوری رحمہ اللہ سے پانچویں پُشت میں جا ملتا ہے، جو اپنے وقت کے بڑے عالم وفقیہ تھے، انہیں عادل شاہی دور میں سلطان بیجاپور نے نوابان آرکاٹ (سات گڑھ) کی خواہش پر بہ طور قاضی القضاۃ اس علاقے میں بھیجا تھا، تب سے اب تک اس خاندان میں علم وآگہی، طب وحکمت، افتاء وقضاء کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے، شیخ احمد فقیہ کے خاندان سے بلاشبہ سینکڑوں حاذق و ماہر طبیبِ جسمانی؛ معالجِ روحانی؛ علماء وفقہاء؛ مجودین وقراء اور صوفیاء واتقیاء کا سلسلہ جاری ہے، ان میں سے بعض تو کئی ایک کمالات کے جامع بھی ہوئے ہیں، میرے حضرت رحمہ اللہ کو ان کے اوصاف واخلاق، سادگی وسنجیدگی اور تواضع وتورع کے مدنظر علماءِ وقت نے بہ جا طور پر سعید الملت کے لقب سے ملقب کیا تھا۔

حضرت کی پیدائش اسی مبارک خانوادے میں آج سے ۷۳ سال قبل ۱۵/صفر ۱۳۶۹ھ م ۱۶/ڈسمبر ۱۹۴۹ء بہ روز بدھ ہوئی تھی، قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم کے بعد قصبے ہی کے مدرسوں میں سے پہلے مدرسہ اشاعت الحسنات میں پھر دارالعلوم چوک میں درسِ نظامی کی متوسطات تک پڑھا، پھر جب ان کے والد گرامی کی نگرانی میں مدرسہ وصیۃ العلوم کا قیام عمل میں آیا تو اس میں داخل لے کر علوم شرعیہ کی تعلیم مکمل فرمائی اور اس مدرسے سے فارغ ہونے والوں کے پہلے بیاچ کے ساتھ سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد افتاء کا کورس کیا، افتاء کی تکمیل کے بعد والد گرامی قدر اور دیگر اکابر واساتذہ کے مشورہ سے تدریس میں مشغول ہو گئے، ابتداءً مدرسہ وصیۃ العلوم میں شعبۂ حفظ میں پڑھایا پھر درسیات کی تدریس میں لگے، اخیر عمر میں عوارضِ ذاتیہ کی بنا تدریس کا کام ترک فرما دیا تھا، البتہ افتاء کا کام اور مدرسے کی سرپرستی اخیر تک فرماتے رہے، والد گرامی کے وصال کے بعد شہر کی مرکزی وتاریخی اہمیت کی حامل مسجد چوک کی امامت وخطابت کا فریضہ آپ کے ذمّے ہوا، بیماری ونقاہت سے قبل تک پوری استقامت سے اس فریضے کو ادا فرماتے رہے۔

ایک اللہ والے کے گھرانے کے چشم وچراغ ہونے اور اصحابِ تصوف وسلوک کی سرپرستی میں پروان چڑھنے کی برکت سے، طالب علمی ہی کے زمانہ سے، سلوک واحسان سے مناسبت اور موانست رہی، مزاج بھی فطرۃً ایسا ہی پایا تھا، خوش اخلاقی اور شرافتِ طبعی تو گھر ہی کی چیز تھی، اپنے والد کی ترغیب اور باقاعدہ ہدایت ورہنمائی کے بہ طفیل کم عمری ہی میں خاندانی شیخ مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ ـــــ جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اجلّ خلفاء میں سے تھے ـــــ سے مکاتبتِ اصلاحی شروع فرمادی تھی، اپنے والد گرامی کے ساتھ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں شرفِ باریابی اور فیضِ صحبت سے بھی مشرف ہوئے، حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد، اپنے چچا حضرت مولانا مفتی نثار احمد صاحب رحمہ اللہ ـــــ جو آپ کے والدِ ماجد رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے ـــــ سے رجوع ہوئے تکمیل سلوک کے بعد انہوں نے اجازت وخلافت بھی عطا فرمادی تھی، پھر اخیر عمر میں انہوں نے خود ہی، محی السنہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ سے رجوع کروایا، یہ سن ۱۴۰۰ھ کی بات ہے، حضرت محی السنہ رحمہ اللہ نے آپ کے حالات رفیعہ اور کمالات سنیہ کو دیکھ کر چند ہی برس بعد سن ۱۴۰۴ھ میں آپ کو اپنی طرف سے بھی توکلا علی اللہ اجازت بیعت وارشاد عطا فرمائی۔

آپ کو اپنے پیر ومرشد حضرت محی السنہؒ سے غیر معمولی عقیدت ومحبت تھی، رفتہ رفتہ چال ڈھال، وضع قطع، اور عادات وذوق ہر چیز میں اپنے علاقے کے ماحول کے خلاف ہونے کے باوجود کامل مشابہت اختیار فرمالی تھی بستی سے باہر نکلنے اور سفر کرنے کا مزاج قطعاً نہ ہونے کی باوجود شیخ کی خاطر بڑے لمبے سفر کئے، تعلقِ شیخ کا کچھ اندازہ درجِ ذیل خط سے کیا جاسکتا ہے۔

شمالی ہند سے بہت دور رہتے ہوئے بھی اپنے شیخ کی محبت اور ان کی طرف دھیان وخیال کا یہ عالم تھا کہ بابری مسجد کے فسادات کے بعد ایک خط میں اس عاجز کو لکھتے ہیں:

> ’’یہ بات قابل دریافت ہے کہ حضرت سیدی ومرشدی (ہردوئی) دامت برکاتہم کیسے ہیں اور ان دنوں کہاں ہیں؟ کافی دن سے مجھے اس کا علم نہیں ہے، معلوم ہوا تھا کہ عمرے کے لئے تشریف لے گئے ہیں، خطوط کے جواب بھی نہیں آرہے ہیں، ۶ر ڈسمبر سے ملک بھر میں فسادات کا ایک طوفان چل پڑا ہے، برابر تشویش لگی رہتی ہے، خدا کرے کہ ہردوئی کا علاقہ محفوظ ہو۔ آمین‘‘
>
> والسلام

ایک اور واقعہ پر میرے خط کا جواب دینے کے بعد یہ تحریر لکھی کہ:

”ایک صاحب کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضرت والا (ہردوئی) مدظلہم کے مزاج ناساز ہیں، اس سال حج کے لئے سفر نہیں ہوا، جب سے سنا ہوں بہت تشویش ہے یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ کیا طبیعت ناساز ہے کل سے جی چاہتا تھا کہ آپ کو خط لکھ کر تفصیل معلوم کروں، کیوں کہ وہاں (فیض العلوم میں) تازہ صورت حال معلوم ہوتی ہوگی“

ان خطوط سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرتؒ کو اپنے پیرومرشد کا دھیان ہمیشہ رہتا اوران کی صحت وسلامتی کے لئے مستقل بے چین؛فکر مند؛اور دعا گو رہا کرتے تھے۔

شہرت وخود نمائی سے عاری، عافیت پسند وخلوت نشین طبیعت رکھنے کے باوجود آپ کا مشکِ ولایت وعنبر تقویٰ گھر میں محدود نہ رہ سکا، نہ صرف یہ کہ اہل بستی کی بڑی تعداد آپ کی عقیدت مند ہوئی بل کہ دوردور سے علماء وصلحاء کھنچے کھنچے چلے آتے رہے، روزانہ ملاقات وزیارت کے متمنی وفود کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ان کے لئے وعظ ونصیحت کا وقت مقرر فرمارکھا تھا، آخری دنوں میں اپنے مکان سے متصل بچوں کے لئے ایک چھوٹی سی جگہ پر دومنزلہ مکان بنوادیا تھا جو واردین ومسافرین کے مہمان خانے کے طور پر استعمال ہوتا رہا، بل کہ مقیمین کے ذکروشغل اور مجالس کی وجہ سے خانقاہ کے نام سے موسوم ہوگیا تھا، آخر وقت تک حضرت والاؒ کی ذات گرامی ماشاءاللہ مرجع خاص وعام تھی، علماوعوام کا رجوع تھا، بیعت وارشاد، فتویٰ نویسی، متوسلین کے خطوط کے جوابات، عمومی وخصوصی مجالس، مسجد چوک میں نمازوں کی امامت، علاقہ کے مسلمانوں کے نزاعات کا تصفیہ، وقتی مسائل اور حوادث ونوازل میں امت کی شرعی راہ نمائی وغیرہ حد سے زیادہ صحت ناساز ہونے تک حضرت والا کی مصروفیات رہیں۔

حضرت والا رحمہ اللہ اپنے مخصوص مزاج کی بنا پر جلسے جلوسوں، عام پروگراموں وغیرہ سے بہت احتیاط فرماتے تھے، البتہ مقامی مدارس وغیرہ کے دینی پروگراموں میں بڑی احتیاط اور کافی اطمینان کے بعد شرکت فرماتے تھے، سفر سے تو بالکل مناسبت نہیں تھی، آپ کے خاندانی اسلاف اور والد بزرگ وار کا بھی یہی مزاج تھا، اس لیے سفر بہت ہی کم کرتے تھے، حج وعمرہ کے لئے اور اپنے شیخ حضرت محی السنہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضری کے لیے کبھی کبھی لمبے سفر کیے ہیں، اس کے علاوہ بہت ہی نادر! البتہ سال میں ایک دفعہ کرناٹک کے شہر ہاسن کا سفر ہوجاتا تھا، اسی طرح تین چار ماہ میں ایک مرتبہ احباب کی دعوت پر بنگلور بھی تشریف لے جاتے تھے، جہاں مجالس عالیہ کا سلسلہ رہتا۔

ایک مرتبہ کافی اصرار اور برسوں کے تقاضے کے بعد حیدرآباد تشریف لائے، اشرف العلوم کے مہمان خانے میں قیام فرمایا اور برادرِ محترم مفتی عبد المغنی ؒ کے مدرسے میں جلسۂ تکمیل حفظ میں شرکت فرمائی، نیز خانقاہِ سعیدیہ متصل اشرف العلوم میں مجالس کا سلسلہ رہا۔اس سے قبل حضرت محی السنہؒ سے وابستہ ہونے کے بعد سن ۱۴۰۱ھ میں حضرتؒ کی حیدرآباد تشریف آوری کے موقع پر حیدرآباد تشریف لائے اور مدرسہ فیض العلوم میں قیام فرمایا تھا۔

پرنام بٹ میں ان کی قیام گاہ پر روزانہ بعد عصر عمومی ملاقات کی اجازت تھی،لوگ اپنی حاجات کے سلسلے میں دعا وتعویذ لینے یا پانی دم کرانے وغیرہ کے لیے رجوع ہوتے تھے،حضرتؒ ان کو کچھ پند ونصائح بھی فرمادیا کرتے،مغرب کے بعد اصلاحی مجلس ہوتی،اس مجلس میں اکثر مقامی و بیرونی متوسلین اور اہل دین حضرت والا دامت برکاتہم کے ملفوظات عالیہ سے دینی تسکین حاصل کرنے اور روحانی پیاس بجھانے کے لیے حاضر ہوتے رہتے،شرکاء جانتے ہیں کہ یہ مجلس نہایت ہی نافع اور مؤثر ہوا کرتی تھی۔اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے خاموش و بےلوث انداز میں دین کے بےشمار کام کر کے دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت رحمہ اللہ جیسا کہ عرض کیا پروان ہی علم ومعرفت کے ماحول میں چڑھے تھے اور اپنے وقت کے شیوخ اور علماء کی صحبت مُیسّر ہوئی تھی،ضابطے کی تعلیم بھی مکمل حاصل کی تھی،سلوک واحسان میں بھی اعلیٰ وارفع مقام پر فائز تھے،اعمال واشغال بھی قابلِ قدر ولائق تقلید تھے،ان سب کمالاتِ ظاہرہ ومقاماتِ عالیہ کے باوجود تکبُّر وترفُّع کی چاہت سے بری اور اظہار سے عاری تھے،تحریر سے اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ بہترین اردو اور عالمانہ وادیبانہ اظہار پر قادر تھے مگر مجلس میں بیٹھتے تو بالکل مقامی اور عوامی زبان میں نصیحت فرماہوتے تھے، بےتکلف اور سادہ انداز میں مگر نہایت درد میں ڈوبی اور دل سے نکلی ہوئی باتیں ہوتی تھیں،تصنُّع وخودنمائی کا نام ونشان نہ تھا،علماء وصلحاء کا بہت خیال فرماتے تھے،واردین وصادرین کو حسبِ موقع چاء پانی یا کھانے سے ضیافت ضرور فرماتے تھے،جب گھر میں مشکل ہوگیا تو بعض خدام کے ذریعے کسی اور کے مکان سے انتظام کروادیتے مگر کرتے تھے۔

بستی میں چوں کہ اور بھی مشائخ تھے ان کا غائبانہ احترام ملحوظ رکھتے تھے اور ان کے ہونے کے لحاظ ہمیشہ رہتا تھا،چند برس پہلے میں نے لوگوں کے رجوع عام کے حوالے سے عرض کیا کہ حضرت! آبادی سے ذراہٹ کر ایک خانقاہ کا انتظام ہوجائے تو آپ کے لئے بھی اور تربیت کے متمنی احباب کے لئے بھی سہولت ہوگی،ایک مسجد ہو اس سے متصل خانقاہ ہو کہ لوگ ذکر وشغل میں حسبِ ہدایت لگے رہیں،اور آپ حسبِ موقع نگرانی ونصیحت

فرماتے رہیں، احباب اس کے انتظام کے لئے تیار بھی ہیں، تو مُسکرا کے ٹال دیا اور اپنے ایک رشتے کے بھائی حضرت مولانا اہلُ اللہ صاحب مدظلۂ خلیفہ حضرت مسیح الامت کا نام لے کر فرمایا اُن کی خانقاہ باقاعدہ چلتی ہے، اور کیا ضرورت ہے؟ میرے یہ پوچھنے پر کہ حضرت! اس میں کیا حرج ہے آپ کے لوگوں کو سہولت ہو جائے گی اُن کو تو نقصان نہ ہوگا؟ فرمایا: ''تقابل کی سی صورت ہے مجھے پسند نہیں ہے اور مناسب بھی نہیں''

ایک طالبِ صادق مجلس میں اہتمام سے آتے تھے، انہوں نے ملفوظات جمع کرنے کا اہتمام کیا تھا کافی ملفوظات جمع ہو گئے تھے تو میرے اصرار پر حضرت نے اُن سے لے کر مجھے دے دیا اور فرمایا کہ مجھے تو کچھ آتا نہیں ہے، متفرق باتیں اپنے بزرگوں سے سُنی پڑھی ہوئی سنا دیا کرتا ہوں، آپ کو اس حک وفک کا پورا اختیار ہے، میں نے اُسے معمولی تصرف کے ساتھ ''جواہرِ سعادت'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا، اس کتاب میں حضرت کا مختصر تعارف شامل کرنا چاہا وہ مرتب بھی کیا مگر حضرت نے اشاعت کی اجازت نہ دی، اور فرمایا ''بستی میں اور بھی مشائخ ہیں لوگ تفاضل وتقابل میں لگ جائیں گے، میں نے عرض کیا شمالی ہندوستان میں بہت سے علماء تک کتاب جائے گی وہ لوگ جاننا چاہیں گے کہ کس کے ملفوظات ہیں؟ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور سختی سے منع فرما دیا، بہت بعد میں صاحب زادہ محترم نے ''محمود الاحکام'' کی پہلی جلد میں اُسے شامل کر لیا۔

حضرت کی نشست گاہ کا بھی کوئی امتیاز نہ تھا، اسی چٹائی پر حاضرین بیٹھتے اسی پر حضرتؒ تشریف فرما ہوتے تھے، بازو چھوٹا سا ڈسک تھا خطوط کے تحفظ کے لئے، سامنے طلبہ والی ایک تپائی رکھی ہوتی تھی کتابیں رکھنے کے لئے، پہلے ایک لینڈ لائن فون تھا، موبائل کے بعد بالکل چھوٹا والا سادہ فون پاس میں پڑا ہوتا تھا، خود تو کسی سے رابطہ نہیں فرماتے تھے کسی کا فون آجائے تو اُٹھا لیتے تھے۔ مسلمان نامی ایک اخبار مدراس سے آتا تھا، اس پر ایک نظر ڈال کر حالات سے واقفیت حاصل کر لیتے تھے، دینی رسائل وجرائد میں جو اہلُ اللہ کے مراکز سے نکلتے، اُن کا ذوق تھا۔

شروع میں ہر نماز کے لئے اس شان سے نکلتے تھے کہ کُرتے کے اوپر ایک باریک کپڑے کا ذرا سا لمبا کُرتا زیبِ تن کئے ہوتے، پگڑی زیبِ سر کر کے ہاتھ میں کالی چھتری اور پیروں میں کالا جوتا (جلسہ نامی) پہنے نظر برقدم راستے کے کنارے سے تشریف لے جاتے تھے تو نہایت بُردباری، باوقاری، اور عظمت وجلال ٹپکتا تھا، ہر شخص احترام ومحبت کی نظر سے دیکھتا اور سلام کرتا تھا، بعد میں تو زیادہ تر پانچ کلی ٹوپی پر اکتفا فرمالیا تھا، قرآن مجید بہت عمدہ پڑھتے تھے، آواز میں مٹھاس تھی، پانی پتی لہجہ تھا، جی چاہتا تھا کہ پڑھتے ہی رہیں، نماز کے بعد پگڑی اُتار کر دستی سے سر پونچھتے پھر سنتوں میں مشغول ہو جاتے تھے، نمازوں میں سنتوں کا بہت لحاظ فرماتے

تھے، حضرت محی السنہؒ پرنامبٹ تشریف لاتے تو مسجد چوک میں نماز ادا کی تو حضرت مفتی صاحبؒ نے نماز کے بعد معمول کے خلاف سراً دعا کی، پھر حضرت سے بتلا دیا کہ معمول ایسا نہیں ہے آج ہی ایسا کیا ہوں، حضرت نے فرمایا آہستہ آہستہ معمول بدلیے تاکہ مسائل نہ ہوں، لیکن اس کے بعد سے اب تک نہ صرف مسجد چوک بل کہ کئی مسجدوں میں سرّی دعا پر عمل ہو رہا ہے۔

عام لوگوں سے معمولی ہدایا قبول فرمالیا کرتے تھے، خواص سے زیادہ تکلف نہیں فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرتؒ کو مرحوم این فاروق صاحب نے —— جو علماء وصلحاء کے بہت ہی قدر داں تھے —— اپنی کمپنی میں ایک نئی مشین کے افتتاح کے لئے بہ اصرار دعوت دی تو آمبور تشریف لے گئے، یہ عاجز بھی ہم راہ تھا، مرحوم کا معمول تھا کہ کچھ شوز مہمانوں ہی کے لئے بہ طور خاص بنوا کر آفس میں رکھتے تھے، حضرت کی خدمت میں پیش کرنا چاہا، حالاں کہ حضرت ویسا ہی جوتا استعمال فرماتے تھے مگر باوجود بار بار کے اصرار کے ہرگز قبول نہیں فرمایا، ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنا معمول بتلا کر معذرت کر دی، البتہ میری اور دیگر علماء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر چاہیں تو ان حضرات کو دے دیجیے، پھر دعا کر کے واپس ہو گئے۔

آرام کے لئے ایک عقیدت مند کے اصرار پر بیجاپور تشریف لائے ہوئے تھے، ہم لوگ بھی حیدرآباد سے وہاں پہنچ گئے، بہت خوش ہوئے، چوں کہ حضرت کے اجداد کا تعلق بیجاپور ہی سے تھا اس لئے اس شہر کو دیکھنے کے متمنی بھی تھے، میزبان تاریخی مقامات پر لے گئے، ہر جگہ حضرت کسی جگہ بیٹھ جاتے اور ہم لوگوں سے فرماتے کہ آپ لوگ تفصیل سے دیکھ لو میں یہاں بیٹھتا ہوں، راستے میں جگہ جگہ ہماری سواری کے پہنچنے اور ساتھ رہنے کا خیال فرماتے رہے، چاء ناشتہ ساتھ میں ہوتا، جہاں رُکنا چاہتے ہمارے پہنچنے کا انتظار فرماتے اور سب کے ساتھ نوش فرماتے تھے، رفقاءِ سفر کا یہ خیال بھی سنت ہی تو ہے۔

معاملات کی صفائی کا بہت اہتمام تھا، ابتدائی تعلق میں میرے ذریعے سے کتابوں کی خریداری اور ماہناموں کا اجرا کرواتے تھے اس سلسلے میں خرید کردہ قیمت اور مستعار لئے ہوئے رسائل کی واپسی کا اس قدر اہتمام دیکھا کہ شاید و باید! حساب کتاب کی صفائی کے بعد کچھ نہ کچھ ہدایا و تحائف بھی عنایت فرماتے رہتے تھے۔

حرمین شریفین حاضری کا بہت زیادہ اشتیاق تھا، شروع میں تو بہ مشکل تمام حاضری ہوئی تھی اخیر میں اللہ تعالیٰ نے بار بار حاضری کا موقع عنایت فرمایا، حرمین شریفین میں گمنام رہتے اور سارا وقت یا تو قیام گاہ پر یا حرم شریف میں گذارا کرتے تھے، بعض قریبی تعلق والے بعد میں شریکِ قافلہ رہنے لگے مگر حضرت کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی، وہ ہمہ شہر پُر زخوباں منم وخیالِ ماہے'' کے مصداق اپنے اوقات اللہ رسول کے تصور میں گذار کے آجاتے تھے۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ عاجز پرنامبٹ بہت پہلے سے جاتا رہا ہے، قصبے میں موجود تمام ہی اکابر ومشائخ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان اکابر کی وجہ سے پرنامبٹ میرے لئے **ومن عادتی حب الدیار لاھلھا** کے مصداق ایک محبوب شہر تھا اور جب موقع ملتا حاضری ہوجایا کرتی، حضرت مُرشدی رحمہ اللہ سے اس وقت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ کے صاحبزادے ہونے کی حیثیت سے تعلق ومحبت تھی، مُرشد وراہ نما کی حیثیت سے نہیں، کیوں کہ اس وقت میں حضرت محی السنہؒ سے وابستہ اوران کی زیر تربیت تھا۔ اصل میں ہمارے ایک کریم وشفیق استاذ تھے حضرت سید قادر معظم رحمہ اللہ جو حضرت محی السنہ اور حضرت مصلح الامت رحمہما اللہ کے تربیت یافتہ تھے، حافظ وعالم تو نہیں تھے البتہ ہردوئی میں ابتدائی درسیات پڑھے ہوئے تھے، ورع وتقویٰ اور اتباعِ سنت وشریعت میں سلف صالحین کی مثال تھے، مجھے اور میرے دوستوں کو اُن سے غیر معمولی عقیدت ومحبت تھی اور ان کی بھی ہم لوگوں پر غایتِ عنایت وشفقت تھی، مصلح الامتؒ کی جب دورانِ سفر حج سمندری جہاز میں رحلت ہوگئی اور وہ سپرد آب کردئے گئے تو استاذ محترم نے ان کی مجلس میں معزز ومقرب شخصیت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب پرنامبٹی رحمہ اللہ کو خط وکتابت کے ذریعے اپنا شیخ بنالیا تھا، اسی غائبانہ بیعت اور مسلسل خط وکتابت کے ذریعے سلوک واحسان کے بہت بلند مرتبے پر فائز ہوئے اور غائبانہ ہی خلافت واجازت سے سرفراز کئے گئے تھے، پرنامبٹ سے ہمارے تعارف اور تعلق ومحبت کا سبب یہی استاذ محترم بنے، انہیں طویل عرصے کی خط وکتابت؛ اصلاح وتربیت؛ اور والہانہ عقیدت محبت کے باوجود حضرت مفتی محمود حسن رحمہ اللہ نے پرنامبٹ آنے کی اجازت نہیں دی تھی، ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ'' آپ اپنے حسن ظن اور صدقِ طلب کی برکت سے بہت اونچے مقام تک پہنچ گئے ہو، اگر یہاں آؤ گے اور مجھے اپنے حسن ظن کے مطابق نہیں پاؤ گے تو اس میں آپ ہی کا نقصان ہے''۔ بالکل آخری دنوں میں تین دن کے لئے حاضری کی اجازت دی تھی مگر استاذ محترم کے سفر سے قبل ہی ان کے انتقال کی خبر آگئی، پیرومرید کے اس جوڑے کی داستان بہت لذیذ وحسین بھی ہے طویل بھی مگر اب اس کا موقع نہیں ہے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ میں جو حیدرآباد اور ہردوئی کے علاوہ کسی جگہ سے واقف نہ تھا وہ اتنی دور واقع قصبۂ پرنامبٹ تک کیسے پہنچ گیا؟

حضرت مفتی صاحبؒ کے حین حیات ہمارے استاذ ہی نہیں پہنچ سکے تو ہم کیا پہنچتے؟ مگر ان کے نام اور مقام اور تعلیمات کو اپنے استاذ محترم سے جتنا سنا تھا اتنی عقیدت ومحبت اور شوقِ زیارت ہمارے دلوں میں تھی، اسی لئے ہم اپنی مختصر چھٹیاں ان اللہ والوں کی صحبت میں گذارنے چلے جایا کرتے تھے اور لمبی چھٹی میں ہردوئی اپنے شیخ

کی خدمت حاضری دیا کرتا تھا۔

● سن ۱۴۰۱ھ میں ہمارے حضرت رحمہ اللہ سے پہلی ملاقات وزیارت ہوئی جب کہ وہ حضرت محی السنہؒ کی ملاقات ومعیت کے لئے حیدرآباد آئے ہوئے تھے، اس کے بعد سن ۱۴۰۳ھ میں میں نے پرنامبٹ جاکر باقاعدہ ملاقات کی، ان کے اکرام واعزاز؛ خاطر مدارات؛ اور تواضع وعبدیت سے بہت متأثر ہوا، واپسی کے بعد میں نے بہ طور تشکر واعتراف کے ایک خط لکھا جس کا انداز اس قدر دوستانہ قسم کا ہے کہ اسے نقل کرنے میں شرمندگی محسوس ہورہی ہے، تعجب ہورہا ہے کہ میں نے ان کا مقام اس وقت کیوں نہیں پہچانا تھا، الخیر! اُن کا جواب کس عجز وبندگی کا مظہر ہے آپ بھی دیکھ لیجئے۔

برادرِ محترم محب ومکرم زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بہ خیریت ہوں، پرسوں نامۂ گرامی نے مشرف فرمایا، اپنی سیہ کاری پر آں جناب کی شفقت وعنایت سے ندامت کے ساتھ ممنون وسپاس گذار ہوں۔

آپ کے لئے دل سے دعا کرتا اور آپ کی دعا وتوجہات کا طالب ہوں۔

والسلام

بندہ سعید احمد غفراللہ لہ

۲۱؍شوال ۱۴۰۳ھ شب دوشنبہ

● ایک دوسال تک اُن سے یونہی خیرسگالی قسم کا تعلق رہا، سن ۱۴۰۵ھ میں جب حضرت مرشدی محی السنہؒ کی صحت زیادہ ناساز رہنے لگی تو میرے ایک خط کے جواب میں حضرت نے اپنے خلفاء کی فہرست روانہ کرتے ہوئے ان میں سے کسی کے ساتھ تا صحت وقوت مکاتبت ومراجعت کا حکم فرمایا تھا، میں چوں کہ حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ کو قریب سے دیکھا ہوا اور ان کی عبدیت واخلاق کریمہ سے متأثر تھا موقع بہ موقع ان کے ہاں جایا بھی کرتا تھا اس لئے دل نے سُجھایا کہ ان سے ہی رجوع کر کے اصلاحی مکاتبت شروع کردوں، چناں چہ اس سلسلے میں پہلا خط ۲۹؍ذی قعدہ ۱۴۰۵ء کو لکھا تھا اور چاہا تھا کہ اصلاحی اُمور میں مراجعہ کی اجازت عطا فرمائیں حضرتؒ نے جواباً تحریر فرمایا

”مکرمنا المحترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بہ خیر ہوں

عنایت نامہ پرسوں موصول ہو کر بندہ کو مسرور کیا، پہلے تو آپ کی تحریر کے الفاظ سے بہت شرمندہ ہوا پھر آپ کی قدردانی سے بے حد متأثر ہوا، جزاکم اللہ تعالیٰ

سیدی و مرشدی حضرت اقدس (ہردوئی) دامت برکاتہم کی ذاتِ بابرکت کے ہوتے ہوئے میں کچھ لب کشائی نہیں کرسکتا، نہ میں اس لائق ہوں کہ آپ کے خطوط کے جواب دوں، یہ (اجازت وخلافت) صرف حضرت سیدی و مرشدی کا حُسن ظن ہے، واللہ میری حالت میں خوب جانتا ہوں''۔

پھر تربیت السالک سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی ایک تحقیق نقل فرمائی، آپ نے اپنے ایک مجاز سے جنہیں بیعت ہونے کے لئے کسی کے آنے پر نہایت شرمندگی ہوئی اور اپنی بدحالی پر نظر کر کے اس کو بیعت کرنے سے شرم آتی تھی، یہ فرمایا کہ ''بیعت کرلیا کریں تا کہ آپ کی یہ تواضع اور بڑھ جائے''

اس سوال و جواب کو مکمل لکھنے کے بعد تحریر کیا:

''اسی مصلحت سے میں بھی خطوط کے جوابات میں جو چیز سمجھ میں آتی ہے لکھ دیا کرتا ہوں''۔

والسلام

بندہ سعید احمد غفراللہ لہ

● ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''حضرت مخدومی و مرشدی (ہردوئی) مدظلہم العالی کے حُسنِ ظن کو اللہ تعالیٰ میرے لئے فالِ نیک بنادیں، میں تو بہت شرمندہ ہوں کہ کہیں بزرگوں کے نیک نام پر میری وجہ سے کوئی دھبہ نہ لگ جائے''

تکمیلِ اصلاح کے لئے دعا کی گذارش پر تحریر فرمایا:

''اس کا میں بھی طالب ہوں، اللہ تعالیٰ میری بھی ظاہری و باطنی اصلاح فرمادے''

● یہ پوچھنے پر کہ کوئی ایسی تدبیر بتلایئے کہ طریقت کی مہم سر کرنے میں سہولت ہوجائے، جواباً تحریر فرمایا:

''ایسا طریقہ مجھے نہیں معلوم ہے، ایسے ہی نسخے کا میں خود بھی محتاج ہوں، آپ آیۃ من آیات اللہ حضرت سیدی و مرشدی دامت برکاتہم (ہردوئی) سے دریافت کیجئے پھر مجھے بھی بتلائیے''

ظاہر ہے کہ یہ سوال نامعقول تھا حضرت نے بڑی حکمتِ عملی سے اس کا جواب دیا، کیوں کہ میں حضرت محی السنہؒ سے ایسی بات پوچھنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا، اور اگر کرتا تو وہی جواب ملتا، سمجھ میں آیا کہ بڑوں کو خط سوچ سمجھ کر لکھنا چاہیئے۔ مذکورہ جواب کے بعد مزید عقل ٹھکانے لگانے کے لئے مجالس حکیم الامت ص ۱۶ سے بہ قلم خود طویل اقتباس یہ کہہ کر نقل فرمایا کہ یہ مضمون آپ کو بھیجنا مناسب سمجھتا ہوں، وہ مضمون چوں کہ سب کے کام کا ہے اس لئے حضرت کے تذکرہ کے ضمن میں اسے بھی پورا نقل کردیتا ہوں۔ وھو ھذا

”مجالس حکیم الامت ص ۱۶ سے یہ مضمون نقل کرکے آپ کو بھیجنا مناسب سمجھتا ہوں، یہ حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ ”تھانہ بھون کی تیسری حاضری“ کے تحت لکھتے ہیں:

”اب دوسری بات اس سادگی سے میں نے (یعنی حضرت مفتی صاحبؒ) یہ عرض کردی کہ حضرت میری تمنا تو بہت ہے کہ تصوف وسلوک کے مراحل طے کروں مگر سنتا ہوں کہ بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں اور محنت اور فرصت کا کام ہے، میں خلقۃً ضعیف بھی ہوں زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں اور فرصت بھی کم ہے اور وقت تمام دروس وتدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گذرتا ہے، کیا ان حالات میں بھی (تصوف وسلوک سے) مجھے کوئی حصہ نصیب ہوسکتا ہے؟

حضرتؒ نے بڑی شفقت سے فرمایا ”یہ تم نے کیا کہا، کیا اللہ کا راستہ صرف اقویاء کے لئے ہے، ضعفاء کے لئے نہیں؟ فارغ البال لوگوں کے لئے ہے، کم فرصت لوگوں کے لئے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے، ہاں ہر ایک کے لئے عمل کا طریقہ مختلف ہے بزرگوں نے فرمایا ہے: طرق الوصول الی اللہ بعدد انفس الخلائق یعنی اللہ تک پہونچنے کے راستے اتنے اَن گنت ہیں جتنے انسان۔

یہاں کوئی عطائی کی دکان نہیں کہ سب کو ایک ہی گولی دی جائے ہم آپ کو ”ایسا طریق بتائیں گے جس میں نہ قوت کی ضرورت نہ فرصت کی“

پھر فرمایا کہ فرائض وواجبات اور سُنن وغیرہ جو سب مسلمان ادا کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں، آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کرلیں، انشاء اللہ سارا سلوک اسی سے طے ہوجائے گا۔

(۱) تقویٰ اختیار کریں اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں، البتہ تقویٰ صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ظاہری میں ہے۔

(۲) دوسرے ہر لایعنی (بے فائدہ) کام، کلام، مجلس، ملاقات سے پرہیز کریں اور فرمایا کہ لایعنی سے میری مراد وہ کام ہیں جس میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا، غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال، اقوال، مجالس میں بہت سا وقت ایسا گذرتا ہے کہ کام کی بات تھوڑی اور بے فائدہ وزائد باتیں زیادہ، بس ان سے پرہیز کریں۔

(۳) تیسرے بقدر ہمت وفرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ اب بتلاؤ اس نسخہ میں کونسی چیز محنت یا فرصت کے بغیر نہیں ہوسکتی، اگر غور کروگے تو اس میں قوت اور زیادہ محفوظ رہیگی کیوں کہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ بہت سے ایسے کاموں سے روکتا ہے جو انسان کی قوت ضائع کرتے ہیں اور جب لایعنی کاموں، ملاقاتوں، مجلسوں سے پرہیز کروگے تو تمہاری فرصت علمی مشاغل کے لئے اور بڑھ جائے گی۔

آخر میں فرمایا کہ نسخہ تو آپ کے لئے اتنا ہی ہے، اگر دل چاہے اور فرصت بھی ہو تو صبح و شام سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، سو سو مرتبہ اور استغفار و درود شریف سو سو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور نمازوں کے بعد تسبیحِ فاطمی کا التزام کرلو"

والسلام

بندہ سعید احمد غفرلہ

ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ

● ایک خط میں کچھ نصیحت فرمانے کی درخواست پر تحریر فرمایا:

"بہ حکم آں محترم عرض کرتا ہوں کہ یہ ناکارہ نہ مقرر ہے نہ تصنیف وتالیف سے کوئی دلچسپی رکھتا ہے، اپنی سراپا کم زوریوں سے خوب واقفیت کے باوجود یہاں آنے والوں کے سامنے کوئی بات ڈھنگ کی یا مفید زبان سے نکل گئی یا کوئی فتویٰ مدلل ہوگیا تو اتنی سی بات سے بھی بسا اوقات نفس پھول جاتا ہے، جب اپنی حالتوں کو دیکھتا ہوں تو گھبرا کر اپنے ملنے والوں سے اکثر یہی کہتا ہوں کہ بھائی دیکھو! نفس کے مکائد عجیب ہیں، ڈرتے رہو، توبہ واستغفار کرتے رہو، اپنی حقیقت پے نظر کرکے اللہ کی عظمت کو پہچانو، اپنے آپ کو مٹاؤ اخلاص وللٰہیت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے جب نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تھا ما النجاۃ ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا: املک علیک لسانک ، ولیسعک بیتک وابک علی خطیئتک[1] اس پر عمل کرو، بس سارے تصوف کا یہی خلاصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حدیث پر عمل کی توفیق بخشے، آپ سے اپنے لئے دعائے خیر کا متمنی ہوں ۔والسلام"

دیکھئے! کس طرح سالک کی حالت کو اپنی حالت بتا کر اس کا حل اور علاج تجویز فرمایا، کسی بھی ہدایت کے دیتے وقت وہ اپنے آپ سے غافل نہیں پائے گئے، حضرت کی یہی وہ عجز وعبدیت تھی جس کے تجربے کے ساتھ ان سے مزید عقیدت ومحبت بڑھتی چلی جاتی تھی۔

دینی ودعوتی کام کے سلسلے میں کئے گئے ایک مشورے کا جواب دینے کے بعد اخیر میں لکھتے ہیں:

"حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کی تعلیمات کی روشنی میں جو بات اس وقت میری سمجھ میں آئی میں نے لکھدی ہے

نقل ارشاداتِ مرشدی کنم آنچہ مردم می کنی بوزینہ ہم

اصل کی برکت سے کیا عجب نقل میں بھی ہو وہی فیض اتم

آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اور خود بھی دعائے خیر کا طالب ہوں۔" والسلام

یعنی کسی بھی اچھی بات کو اپنی طرف سے بیان کرنے کے بہ جائے بڑوں کے حوالے سے نقل فرماتے تھے اور خود کو محجوب ومستور ہی رکھنا پسند کرتے تھے۔

● ایک دفعہ میں نے مخالفین وحاسدین کی طرف سے پیش آنے والی آزمائشوں کا دکھ درد حضرت کی خدمت میں رکھا تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"میرا تجربہ یہ ہے کہ صرف موافقین ہی ہمارے اطراف جمع ہوجائیں تو ہماری حالت بے لگام رہتی ہے، اگر ایک آدھ مخالف بھی پیچھے لگا رہے تو ہماری اصلاح اور تعلق مع اللہ کے لئے بہتر ہوتا ہے"۔

"مولانا! آپ خود ہی ماشاء اللہ اہلِ علم ہیں، آپ سے مزید میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ مگر چوں کہ آپ نے مخالفین کی باتوں کا کافی اثر لیا ہے اس لئے عرض کرتا ہوں کہ مدرسہ ہمیں مقصود نہیں ہے، مقصود تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، مخالفین چاہے مدرسے کو باقی رکھیں یا ختم

[1] ترجمہ: اپنی زبان پر قابو رکھو، تمہارا گھر تمہارے لئے وسعت والا ہو، اپنی غلطیوں پر رویا کرو۔

کردیں، اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے دین کا محافظ و مددگار ہے، مدرسہ چلے نہ چلے ہمیں رات دن بس فکر اس بات کی ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے یا نہیں؟ ؎

گو ہوا زمانہ دشمن ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

جب یہ فکر پیدا ہو جائے گی تو انشاء اللہ حالات بھی خود بہ خود سدھر جائیں گے جب کہ سلف صالحین کا قول ہے من اصلح فیما بینہ و بین اللہ اصلح اللہ فیما بینہ و بین الناس [۱] اس کے بعد انشاء اللہ مخالفین کی مخالفت سے نہ آپ پر کوئی آنچ آئے گی، نہ مدرسہ کا کوئی نقصان ہوگا، بل کہ میں کہتا ہوں کہ یہ مخالفت مزید ترقی کا باعث بن کر رہے گی۔

اپنے آپ کو سنبھالئے، اہل علم پر حالات آتے رہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا امتحان ہوتا ہے، سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ استحضار رکھے کہ واقعی میں کسی رفعت و تعظیم کا ہرگز ہرگز اہل نہیں، حضرت تھانویؒ نے کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ تواضع اور چیز ہے تواضع کا مظاہرہ اور چیز ہے۔

نہ شادی داد سامنے ،نہ غم آورد نقصانے
بہ پیشِ ہمت ما ہر چہ آمد بود مہمانے

آپ کا والا نامہ آٹھ دن قبل مل گیا تھا مگر مجھے بخار تھا، اب کم ہے، دعا کرتا ہوں اپنے لئے دعاؤں کا متمنی بھی ہوں۔ والسلام“

آپ خط کے ایک ایک جملے سے حضرت رحمہ اللہ کی شانِ تربیت اور مقام عبدیت دونوں کا اندازہ کر سکتے ہیں، میں نے حضرت کے اس جواب سے واقعی بہت فائدہ اُٹھایا اور اس کو اپنے والد محترم حضرت حافظ عبدالغنی رحمہ اللہ — جو خوش خطی کے ماہر تھے — سے جلی حرفوں میں پند سعید کے نام سے لکھوا کر دفتر میں اپنے سامنے آویزاں کر لیا تھا، ایک دن حضرت محی السنہؒ اشرف العلوم کے معائنے کے لئے تشریف لائے، ہر جگہ گئے تفصیل سے دیکھا، طلبہ واساتذہ کا قرآن کریم سنا، دفتر میں تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی، کھڑے کھڑے مکمل پڑھا، اور حاجی عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سے فرمایا کہ اُسے نقل کر کے مجھے دے دو، مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اپنے سالک و مُرید کی ایک نصیحت کو عظیم المرتبت پیر و مرشد نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اسی سے اندازہ ہوا کہ

---

[۱] ترجمہ: جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان معاملے کو درست کرلے تو اللہ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملات کو درست کردے گا

مرشد ومرید کے درمیان کس قدر اتحادِ نسبت اور اتفاقِ فکر و مذاق ہے۔ اسی طرح مولانا سجاد نعمانی مدظلہ نے دیکھا تو وہ بھی نقل کرا کے لے گئے کہ اس کی مجھے بہت سخت ضرورت ہے۔ ان واقعات کی اطلاع حضرتؒ کو دی تو جواباً فرمایا:

’’ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے، رونگٹے کھڑے ہوگئے، بس اللہ تعالیٰ کی ستاری اور اپنے بڑوں کا کرم ہے ورنہ میری حقیقت ہی کیا ہے؟‘‘

● ایک مرتبہ تحریراً عرض کیا کہ بعض اساتذۂ مدرسہ کے طرزِ عمل سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہے، حد یہ ہے کہ سامنا ہونے پر منھ پھیر کر جاتے ہیں اور سلام کرنا تو کیا، سلام لینا بھی نہیں چاہتے، مختصر جواب یہ دیا:

’’بس خدا کا شکر ادا کیجئے، ان کی ناحق کشیدگی کو خدا کے حوالے کیجئے وہی ہمارا ناصر اور ان کے مقابلے ہمارے لئے کافی ہے، ہر فرض نماز کے بعد واللہ یعصمك من الناس ۲۱ مرتبہ پڑھ لیا کریں، نیز اللھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلا و انت تجعل الحزن سھلا اذا شئت‘‘، تین مرتبہ پڑھ لیا کریں۔‘‘

اس کے بعد کیا خیال آیا نہ معلوم حضرت مصلح الامتؒ کا ایک واقعہ نقل کر کے تفصیلی جواب عنایت فرمایا، خدامِ دین کے نفع کے لئے درج ذیل کرتا ہوں۔ وھوھذا

’’مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا ایک ملفوظ یاد آرہا ہے جو میں نے اپنے والد محترم علیہ الرحمہ سے بارہا سنا ہے (اور بہت ممکن ہے کہ رسالہ معرفت حق میں عرصہ قبل طبع بھی ہوا ہو) حضرت مصلح الامتؒ نے الہ باد والوں سے (جو حضرت کو بہت پریشان کر رہے تھے) ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ سُن لو! تم لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مگر ہاں صرف ایک کام کر سکتے ہو‘‘ (لوگ متوجہ ہو کر سننے لگے کہ وہ کونسا کام ہے جو ہم کر سکتے ہیں!) حضرت مصلح الامتؒ نے فرمایا کہ ’’صرف اب تم فتنہ کر سکتے ہو‘‘ (یہ سن کر لوگوں کے چہرے فق ہوگئے) آگے حضرتؒ نے فرمایا کہ یاد رکھو! اب تمہارے وہ فتنے بھی میرے آگے چل نہیں سکتے ہیں ...مگر ساتھ ہی حضرت نے تواضعاً فرمایا کہ ’’بھئی میں کیا چیز ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا ہی کر دیا ہے‘‘۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں بتائیے کہ آخر یہ کیا چیز تھی؟ بات بس وہی تھی جو حضرت شیخ سعدیؒ نے بتائی ہے، انہوں نے اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ میں کسی جنگل سے گذر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اللہ والے بزرگ پھاڑ کھانے والے درندہ یعنی شیر پر سوار ہو کر آرہے ہیں، حضرت

شیخ ؒ اپنی حالت لکھ رہے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر خوف و دہشت نے گویا میرے پاؤں باندھ دیئے اور میری اس کیفیت کو دیکھ کر ان بزرگ نے جو کہا اس کو حضرت شیخ سعدی ؒ اپنے کلام میں فرماتے ہیں۔

تبسم کناں دست بر لب گرفت
کہ سعدی مدار ایں چہ دیدی شگفت؟
تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ
چو حاکم بہ فرمانِ داور بود
خدایش نگہبان و یاور بود

بھائی قدیم سے دنیا میں سنت اللہ یہی ہے کہ ہر نبی اور ولی کے پیچھے دشمن اور مخالف برابر لگے رہتے ہیں تا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین و متبعین کے درجات بلند ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ ان کا صبر وضبط بھی دیکھنا چاہتے ہیں جیسے ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے ”وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُوْنَ ؟ پھر آگے فرمایا: وَ كَذَالِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۔بس اب آپ حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کی کثرت کریں۔“

● میں نے سہولت کے لئے ادارے کا پتہ لکھا ہوا لفافہ تیار کروالیا تھا جو میرا ذاتی تھا، اس لفافے میں جب میرا خط حضرت کے پاس پہونچا تو جواب کے اخیر میں یہ بھی تحریر فرمایا:

”حضرت! کبھی کبھی لوگ نجی اور اصلاحی خطوط کے لئے مدرسہ کے کاغذات اور کور استعمال کر لیتے ہیں، میری طبیعت تو ایسی چیزوں سے بہت منقبض ہو جاتی ہے گو یہ کاغذات آپ نے اپنی ہی رقم سے کیوں نہ بنائے ہوں مگر اہل علم حضرات کے لئے ایسی چیزوں میں احتیاط کرنا ضروری سمجھتا ہوں، کیوں کہ حدیث میں تہمت کے مواقع سے بھی پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے“

● میں نے بعض علماء کے لیٹر پیڈ پر اُن کے مناصب چھپے دیکھ کر سلام خوش نویس صاحب سے اپنے نام کا لیٹر پیڈ چھپوایا تھا، اس پر نام کے نیچے ناظم ادارہ اشرف العلوم، اشرف ماڈل اسکول، مدیر ماہنامہ اشرف العلوم

لکھوایا تھا، یہ مدرسہ کا لیٹر پیڈ نہیں تھا ذاتی ضرورت کے لئے بنوالیا تھا اسی لئے ''نجی مکاتبت'' بھی ایک سائڈ میں لکھوایا تھا، اس لیٹر ہیڈ پر جب حضرتؒ کو پہلا خط لکھا تو دیگر اُمور کے جوابات کے علاوہ میرے تینوں منصبوں کو دائرہ خط میں لے کر یہ تنبیہ فرمائی:

''مولانا دامت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی شخصیت، علمی و عملی خدمات وصلاحیت طبقۂ عوام وخواص میں ماشاء اللہ خود ہی ناطق وشاہد ہے (اللہ تعالیٰ نظر بد سے آپ کی حفاظت فرمائے) تو پھر ان نجی مکاتبت والے کاغذات پر اس تشہیر واشاعت کی کیا ضرورت؟ مجھے تو اچھا نہ لگا۔ یہ مصرع نقل کرنے کو جی چاہ رہا ہے ؎

تو کجا بہر تماشہ می روی؟[1]

ہاں! مدرسے کے کاغذات وغیرہ پر قانونی و دیگر مصالح سے طبع کرا لینے میں حرج نہیں''

حضرت رحمہ اللہ کے لیٹر ہیڈ پر بندہ سعید احمد غُفِرَ لہٗ پرنامبٹ کے علاوہ کچھ بھی نہیں لکھا ہوتا تھا، حالاں کہ اس وقت آپ کئی مناصب پر فائز تھے، یہ خود ان کی غایتِ تواضع کا مظہر ہے۔

● ایک طویل سفر سے واپسی کے بعد جو کچھ دینی خدمات ہوسکی تھیں اُن سے حضرت والا کو مطلع کیا، بہت خوش ہوئے اور خلافِ معمول یہ طویل جواب عنایت فرمایا:

''مولانا مجھے ماشاء اللہ آپ سے بڑی محبت ہے اسی محبت کے پیش نظر بزرگوں سے سنی اور حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ وملفوظات میں دیکھی ہوئی باتیں پیش کرتا ہوں کہ ایسے ہی مواقع میں اپنی حفاظت کی از حد ضرورت ہے، عجب ایک انتہائی خطرناک اور ہلاکت خیز بیماری ہے جس سے بہت ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیئے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ دیکھئے کیا فرماتے ہیں ''وقد رأینا شیوخا سقطوا'' ہم نے بے شمار مشائخِ زمانہ کو دیکھا ہے

[1] حضرت سلطان الاولیاءؒ جس راستے سے نماز کو جاتے تھے، راستے میں ایک بڑھیا بیٹھی اُن کا انتظار کرتی رہتی تھی، قریب سے گذرتے تو احتراماً اُٹھ کے سلام کرلیا کرتی تھی، جب حضرت کا وصال ہوا اور جنازہ اسی راستے سے لے جایا جارہا تھا، اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کس کا جنازہ ہے؟ اطلاع دی گئی تو برجستہ کہا ؎

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشہ می روی؟

کہ وہ مقامِ مشیخت سے گر گئے، اس کا سبب عجب اور نفسانیت ہی تو تھا؟ جس نے تباہ کرڈالا اوپر سے نیچے اُتار لایا، حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی کی طرف اشارہ دے رہے ہیں، وما ابری نفسی ان النفس لامّارۃ بالسوء۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! میں دنیا میں خدا کی مخلوق میں جتنا اپنے نفس سے ڈرا کرتا ہوں اتنا کسی اور چیز سے نہیں ڈرتا، اس لئے حضرت خواجہ صاحبؒ کے ان اشعار کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے۔

نفس کا مار ہے سخت جان دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل ادھر ہوا نہیں اس نے ادھر ڈسا نہیں
سوچ سمجھ کر چل ذرا سہل نہیں ہے راہِ عشق
دیکھ سنبھل کر رکھ قدم چوکا کہ بس گرا نہیں

● ایک خط کے اختتام پر کچھ تلقین ونصیحت کی گذارش کا جواب اس طرح دیا:

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے علامہ حضرت سید سلیمان ندویؒ کو ان کی درخواست پر جو انتہائی قیمتی ومختصر سی نصیحت فرمائی تھی کہ ’’مولانا اپنے کو مٹاؤ‘‘، بس یہی نصیحت اللہ تعالیٰ نے آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد میرے دل میں بھی ڈالی، مولانا اسی میں ہماری خیر ہے ورنہ جس وقت انسان اپنی نگاہ میں اچھا لگتا ہے تو اس وقت وہ خدا کے نزدیک مبغوض بن جاتا ہے، العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس سے آزاد ہوجائے جب اخلاق رذیلہ سے آدمی پاک ہوجائے گا تو اخلاقِ حمیدہ اس کے اندر پیدا ہوجائیں گے اور اعمالِ صالحہ کی توفیق ملے گی، غفلت من اللہ سے جب چھٹکارا ملتا ہے تب توجہ الی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ والسلام بندہ سعید احمد غفر اللہ لہٗ

● جب مشیتِ ایزدی اور تقدیرِ الٰہی سے پانچ ماہ سے زائد عرصہ مجھے جیل میں رہنا پڑا تھا، رہائی کی امید تو تھی ساتھ ہی یہ خواہش بھی تھی رہائی ہوتے ہی سب سے پہلے حرمین شریفین حاضر ہوکر دوگانہ شکر ادا کروں، مگر رہائی کے مژدے کے ساتھ پاسپورٹ کی ضبطی کی اطلاع بھی ملی، دل بہت مغموم تھا، میں نے حضرت کو اپنی کیفیت لکھ کر بھیجی اور دعا کی درخواست کی، حضرت والا نے جواب عنایت فرمایا:

تقریباً ایک سال سے آپ کے حق میں برابر دل وجان سے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے آزمائشی دورکو بہت جلد ختم فرمائے عافیت تامہ کے ساتھ آپ کے فیض کو عام کرے آمین، اکابرؒ کا تجربہ ہے کہ بہ حالتِ قبض بہ نسبت حالت بسط زیادہ کام ہوتا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فی الحال بہت کام لے رہے ہیں، تو خود ہی شکر کا اہتمام کریں، عافیت طلب کرتے رہیں، اس لئے کہ ہم ضعیف ہیں آزمائشی حالات کو زیادہ دیر تک تحمل نہیں کرسکتے۔''

● یہ تو حضرت رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت میں نرمی وشفقت کی چند جھلکیاں تھیں، سختی وشدت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمالیجئے، شعبان ۱۴۱۵ھ کی بات ہے کہ میں نے حضرت سے تین یوم کے لئے حاضری کی اجازت چاہی اور اس کا مقصد صحبت واستفادہ بتلایا تھا، حضرتؒ نے اجازت عنایت فرمادی، پھر جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مدرسہ وصیۃ العلوم کا اجلاسِ دستار بندی ہے، مخدومی الاستاذ حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف فرما ہیں، حضرت مولانا ذاکر رحیمی صاحب نے حضرت کے گھر پر ہی کھانے کے بعد بہ طور خاص اجلاس میں شرکت کرنے اور ''اتباعِ سلف'' کے عنوان پر خطاب کرنے کا حکم فرمایا تو میں نے پہلے معذرت کی لیکن ان کے اصرار پر قبول کرلیا، ایک اور مقامی بزرگ نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ مقامی معاشرہ میں آج کل یہ خرابیاں ہیں آپ ان کا بھی ذکر کیجئے، یہ بہت اچھا موقع ہے، چناں چہ جلسے میں مقامی اکابر اور مہمانِ خصوصی مخدومی حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمہ اللہ کے خطابات ہوگئے تو اخیر میں میرا اعلان کیا گیا، میں نے اجلاس کا وقت کب تک ہے یہ معلوم کیا اور نہ ہی اپنا وقت کتنا ہے یہ معلوم کیا، بس کل دونوں بزرگوں سے جو گفتگو ہوئی تو اس کی روشنی میں دونوں عنوانوں پر اگر چہ مختصراً ہی بات کی مگر معلنہ وقت سے زیادہ وقت ہوگیا جس سے انتظامیہ کو تشویش وشکایت ہوئی، حضرت کو بھی اس سے تکلیف ہوئی۔

اس معاملے میں مجھ سے چند در چند بے اصولیاں ہوئی تھیں، ایک تو یہی ہے کہ جس غرض سے حضرت کے پاس آیا تھا وہ محض اپنی اصلاح اور صحبتِ شیخ تھی اس لئے مجھے دوسرا کام نہیں کرنا چاہیئے تھا، دوسرے شیخ کی اجازت کے بغیر اس پیش کش کو قبول نہیں کرنا چاہیئے تھا، تیسرے پروگرام کی نوعیت اور وقت کی کا لحاظ رکھنا چاہیئے تھا، چوتھے اکابرین شہر اور استاذ محترم کی موجودگی کا خیال کرنا چاہیئے تھا، پانچویں یہ کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے شہر میں کئی پروگرام تھے، میرا قیام بھی اسی مکان میں تھا جہاں حضرت قاری صاحب کا قیام تھا، جو لوگ بھی اُنہیں لے جانے آتے مجھے بھی اصرار کرکے ساتھ لے جاتے انہیں پروگراموں میں تین دن نکل گئے،

جو مقصدِ سفر کے برخلاف تھے، ان بے اصولیوں کی وجہ محض خواہشِ نفس کی تسکین تھی جو یقیناً اُم الامراض ہے۔

حضرت رحمہ اللہ نے اس کو بھانپ کر سخت نوٹس لیا، تیسرے روز واپسی کی اجازت لینے کو پہونچا تو معذرت پیش کی کہ اگرچہ آنے کی غرض حضرت والا کی صحبت ومعیت تھی مگر مقامی اکابر کے اصرار پر سارا وقت انہی پروگراموں میں نکل گیا، یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ایک نامعقول تاویل تھی، حضرت رحمہ اللہ کو اس پر غصہ آنا تھا آیا اور بہت برہم ہوئے، ان کی مسلسل شفقتوں اور اکرام واعزاز کے سلوک سے جو خمارِ نخوت وخود پسندی دماغ میں بسا ہوا تھا تنبیہ وتہدید کی ایک ہی خوراک میں سارا نشہ اُتار دیا، اپنی حیثیت سمجھ میں آئی اور اغلاط ذہن میں آتے گئے جس نے خوب شرمندہ وپشیمان کیا، اسی حال میں بہت رسوا ہوکر تیرے کوچے سے ہم نکلے کے مصداق اپنا سا منہ لے کر واپس ہوگیا، حیدرآباد پہونچ کر ایک تفصیلی خط لکھا جس میں پھر یہ حماقت کی کہ جلسے میں شرکت وخطاب کی وجوہات بیان کیں کہ فلاں فلاں حضرت کے اصرار پر اور حضرت قاری صاحبؒ کے یہ فرمانے پر کہ میں زیادہ بات نہیں کرسکوں گا تم تلافی کردو، غلط فہمی میں مبتلا ہوکر ایسی حرکت کربیٹھا، ظاہر ہے کہ یہ بھی عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق تھا، حضرت نے جواباً تحریر فرمایا:

”مولانا المحترم دام فضلکم

وعظ وتقریر کا قصہ چھوڑیئے، یہ بتلائیے کہ آپ نے حیدرآباد سے سفر کس مقصد سے کیا تھا اور کس طرح سفر کی اجازت چاہی تھی، اس میں آپ کہاں تک صادق القول رہے، کیا طالب صادق ایسا ہی ہوتا ہے؟“

اس کے جواب میں اس واضح غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت طلب کی مگر حضرتؒ نے اعتراف کے جواب میں تو یہ سوال فرمالیا کہ:

”اللہ کو حاضر ناظر جان کر بتائیے کہ آخر اس غلطی کا منشا کیا تھا؟“

اور معذرت کے جواب میں فرمایا:

”مولانا! میں کون ہوں؟ میرا مقام ہی کیا ہے؟ معاملہ اپنے پروردگار سے درست کیجئے“

دعا کی درخواست کے جواب میں فرمایا:

”دعا کرتا ہوں اور خود بھی طالبِ دعا ہوں“

حضرت رحمہ اللہ کی دعا اور داروگیر کی برکت سے سمجھ میں آیا کہ سر سے سرکشی کا سودا ابھی صاف نہیں ہوا ہے اس لئے ابھی تک حضرت کا دل خوش نہیں ہوا، اب بھی معافی ورضامندی کا مژدہ نہیں مل سکا۔ پھر فوراً ہی تیسرا خط

بلا کسی تاویل وتوجیہ کے بالکل سرنڈر ہو کر بھیجا کہ احقر نے اپنی جاہلانہ حرکتوں کے آئینے میں اپنا قد دیکھ لیا ہے، مجھے حضرت والا کے پاس رہنا تو آیا نہیں تھا، اب معافی مانگنا بھی نہیں آرہا ہے، ہر خط میں معافی کا منتظر ہوں، وساوس وخطرات کا ہجوم ہے دن رات انقباض وبے چینی ہے، اللہ پاک کے بھروسے پر عرض کررہا ہوں کہ جن کوتاہیوں کی طرف حضرت والا نے توجہ دلائی ہے اِن میں سے کسی کا اعادہ نہیں کروں گا، بس اللہ کے واسطے اس نالائق خادم کو معاف فرمادیجئے، مگر اس کے جواب میں صرف اتنا تحریر فرمایا:

''پچھلے خط کا جواب جاچکا ہے، سب باتوں کا جواب اسی میں موجود ہے''

اصل میں پچھلے خط میں ایک سوال تھا کہ اس بے اصولی اور وعدہ خلافی کا منشاء کیا تھا؟ اس کا جواب غرور کے ٹوٹنے کے لئے ضروری تھا، اس لئے چوتھا عریضہ یہ کہتے ہوئے ارسال کیا کہ غور کرنے سے اس غلطی کا منشا یہ سمجھ میں آیا کہ میرے نفس کو لوگوں کے اعزاز واکرام کرنے اور بیانوں کے کرنے میں راحت ولذت ملتی گئی، پس میری خود پسندی، استعلاء واستکبار کے علاوہ کوئی اور منشاء اس حماقت کا نہیں ہوسکتا، اب اپنے کو حضرت والا کے مکمل سپرد کرتا ہوں کہ ان امراض کا ازالہ وعلاج فرمائیں، جو حکم ہوگا تعمیل کروں گا، جواب آیا:

''مولانا المحترم زید لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صاحب البیت ادری بما فیہ، آپ نے اپنے اندورنی حالات کا جائزہ لے کر جو حقیقت لکھی ہے اس سے مجھے مسرت ہوئی، جی ہاں! ظاہری حالات تو ایسے ہی تھے کہ انہیں دیکھ کر مجھے تنبیہ کرنی ضروری تھی، باقی خود میں تو وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتاب تبلیغ دین کا مطالعہ کریں، بالخصوص نخوت وتکبر کا بیان غور سے پڑھیں، اس میں اس کا جو علاج ہے اس پر عمل کریں، پھر حالات سے (حضرت محی السنہؒ کو مطلع کرتے رہیں، آپ کے لئے بھی دعا کرتا ہوں اور آپ سے اپنے لئے دعا کا ملتجی ہوں۔ بندہ سعید احمد غفر اللہ لہٗ

پھر اس کتاب کو حاصل کر کے مطالعہ کرتا رہا اور اگلے خطوط میں کیفیات سے مطلع کرتا رہا اسی طرح خط وکتابت جاری رہی، اس کے بعد سے الحمد للہ میں نے محسوس کیا کہ للّٰہیت بڑی دولت ہے اس کے حصول کی راہ میں للناسیت سب سے بڑی رکاوٹ ہے مگر آدمی للّٰہیت کے پردوں میں للناسیت اور للنفسیت کے مزے لوٹتا اور اپنے آپ کو دھوکہ دیتا رہتا ہے، جب تک کسی مربّیٔ کامل کی نظر اس فریب کا پردہ چاک نہیں کرتی سالک خود فریبی

کے دلدل سے نکل نہیں پاتا، اس واقعے سے قبل کسی نہ کسی بہانے سے اپنے کو منوانا اور اپنی غلطیوں کو تاویلات کے پردے میں چھپاتے رہنا جتنا اچھا لگتا تھا حق تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ اب ان دنی حرکتوں اور کمینی عادتوں سے اسی قدر نفرت ہوگئی ہے۔ **فللہ الحمد و المنۃ**

اس کے بعد حضرت والا رحمہ اللہ کے اکرام و اعزاز، محبت و شفقت کا وہی عالم تھا بل کہ مزید ہوگیا تھا مگر مجھے اب اپنا مقام معلوم ہو چکا تھا اور اپنی نظر میں بہت گر چکا تھا، کسی اعزاز و اکرام سے دلچسپی نہ تھی۔

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ تم
یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے

یہ ساری تفصیل میں نے محض حضرتؒ کے اندازِ تعلیم و تربیت اور شانِ رہبری درطریقت کے حوالے سے لکھ دی ہے ذکر خویش مقصد نہیں۔

خیر! یہ حکایت لذیذ تر تھی اور حضرت کے اندازِ تربیت کی عکاسی تھی کہ تربیت کے معاملے میں کسی تعلق کی رعایت نہ فرماتے تھے، اس لئے دراز ہوگئی، حضرت اس کے بعد حسبِ سابق بڑی شفقت و محبت بل کہ حاضراً غائباً احترام کا معاملہ فرماتے رہے، جس کا میں اپنے کو کبھی مستحق نہ سمجھا، اُن کے کمالِ خلق پر محمول کرتا رہا، اس واقعے کے دو برس بعد حضرت رحمہ اللہ نے توکلاً علی اللہ اجازت بیعت و تلقین بھی دی، میں ے اس کی اطلاع حضرت محی السنہؒ کو کردی مگر ایک عرصے تک اسے بھی بڑی آزمائش و امتحان سمجھتا رہا، پھر ان کی تاکید پر بہ طریقِ سلف اس سلسلے کو اگرچہ آگے بڑھایا مگر جیسا کہ کہا جاتا ہے مزمن و مہلک مرض دب تو جاتے ہیں ختم نہیں ہوتے، ہمیشہ عجب و پندار کے اُبھر آنے کا خطرہ لگا رہتا ہے بل کہ وقتاً فوقتاً اس کی بو محسوس ہوتی رہتی ہے، اعاذنی اللہ منہ ببرکۃ مشائخی الکرام۔

گذشتہ چند برسوں سے حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی، جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے علاج معالجے چلتے رہے، دعائیں ہوتی رہیں، وظائف پڑھے جاتے رہے، خود حضرت والا کے معمولات میں حفظ و حصن کے متعدد اعمال شامل تھے مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تھا صحت دن بہ دن گرتی ہی جارہی تھی، اہل تعلق ملول و رنجیدہ تھے، حضرت رحمہ اللہ کی تکلیف دیکھنا تو کیا سُننا بھی تکلیف دہ تھا، تمام مصروفیات رفتہ رفتہ ختم ہو چکی تھیں، اس کے باوجود ملاقات کے وقت بہت ہی بشاشت و مسکراہٹ کے ساتھ ملتے تھے، آخری سفر میں راقم سطور نے اُن کے صبر وضبط اور رضاء بالقضاء کے مقام کا اندازہ کیا کہ باوجود سخت جسمانی اذیت میں مبتلا

ہونے کے حضرتؒ نہایت صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس ایک کُرسی پر تشریف فرما تھے، ہم لوگوں کے لئے بھی سامنے کرسیاں رکھوائی تھیں، پوری بشاشت کے ساتھ حسبِ معمول ملاقات کی، تفصیل سے بات کی مختصر مختصر نصیحتیں بھی فرماتے رہے، بہت جی لگا بہت نفع ہوا مگر کیا پتہ تھا کہ یہ حضرت والاؒ کی آخری نصیحتیں ہیں، اس کے بعد پھر زندگی میں ملاقات نہ ہوسکے گی۔

واپسی کے بعد صحت مزید ابتر ہونے کی اطلاعات برابر موصول ہوتی رہیں، پوری پوری رات بے چینی میں نکل جاتی تھی، کسی کروٹ سکون نہ تھا، یہی حال دن کا بھی ہوتا تھا، رہیں تدابیر بھی سوچی جاتی رہیں، خاص بات یہ ہے کہ ہمارے محترم معین الدین صاحب سے حضرت خود بات کرلیا کرتے تھے اور حالِ دل بتادیا کرتے تھے، کبھی زبان پر حرفِ شکایت نہ لانے، اپنی تکلیفوں کو مخفی رکھنا چاہنے کے باوجود آخری ایام میں ان سے یہاں تک فرمادیا تھا کہ ''اس قدر اذیت میں ہوں کہ ملک میں کہیں بھی علاج ممکن ہے تو جانے کے لئے تیار ہوں''۔ ایک نہایت ضابط وصابر بندہ کی زبان سے اتنا جملہ بھی اس کی تکلیف کی انتہا کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہوسکتا ہے۔

۲۸/اگست ۲۰۲۲ء کا دن اسی طرح گذرا، رات عشاء کی تیاری کے لئے بیت الخلاء تشریف لے گئے اور وہاں سے نکلے تو ضعف ونقاہت انتہا کو پہنچ گئی تھی، صاحب زادہ محترم مولانا ابرار صاحب نے اپنے سینے سے سہارا دے کر چارپائی پر لٹانا چاہا مگر اسی حال میں حضرتؒ جان جان آفریں کے سپرد کردی، **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔

اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے، سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، زندگی بھر کی تکالیف کو کفارۂ سیئات بنائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

صاحبزادی محترمہ زوجۂ مفتی صلاح الدین صاحب زید فضلہٗ نے پہلی ہی رات خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنی قبر مبارک میں نہایت ہشاش بشاش ومسرور بیٹھے ہوئے ہیں، سامنے پلیٹ میں کھجوریں اور زمزم رکھا ہوا ہے، کھجور کھا کر زمزم نوش کرکے کھڑے ہوئے نہایت قیمتی وخوبصورت جوتے پہن کر ایک شاندار وحسین دروازے کے اندر مسکراتے ہوئے چلے گئے، حق تعالیٰ اس خواب کو حضرتؒ کے حق میں حقیقت بنادیں، آمین

نوٹ: یہ چند سطریں میں نے ایسے وقت میں جبکہ مختلف وجوہ سے ذہنی انتشار؛ شدید افکار اور مسلسل اسفار کا شکار ہوں، کیف ما تفق لکھدئے ہیں، جو یقیناً حضرتؒ کی حق تلفی سے کم نہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ حضرتؒ کے متعلقین مجھے معاف کریں گے، یہ بھی اُمید ہے کہ جلد ہی اِن حضرات کی نگرانی میں بہتر کام سامنے آئے گا۔

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

خاندان قریش کے قبیلہ عدی سے تعلق رکھتی تھیں، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی

عظیم صحابی رسول حضرت سعید بن زیدؓ جو عشرہ مبشرہ (جن کو دنیا میں جنت کی بشارت سے سرفراز کیا گیا) میں سے ہیں، اُن کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت عمر بن الخطابؓ چچازاد بھائی ہوتے تھے، اسی طرح مشہور صحابیہ حضرت فاطمہ بنت خطابؓ ان کی حقیقی چچازاد بہن اور بھاوج ہوتی تھیں۔

قبول اسلام

حضرت عاتکہؓ کے والد محترم زید زمانہ جاہلیت میں ہی توحید کے قائل تھے، اللہ کی یکتانیت اور وحدانیت کا اعتراف کرتے تھے اور جن کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: وہ قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اُٹھیں گے، زید کو چند سال قبل از بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دشمن نے قتل کر ڈالا اور عاتکہؓ یتیم ہوگئیں، سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اسلام قبول کیا اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئیں۔

نکاح

نہایت حسین وجمیل، عاقلہ فاضلہ، عالمہ خاتون تھیں، ان کی شادی حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے ہوئی، حضرت عبداللہؓ کو ان سے اس قدر لگاؤ تعلق اور والہانہ محبت تھی کہ ان کے عشق وفریفتگی میں جہاد کو ترک کردیا، وہ بھی شوہر پر جان چھڑکتیں، ان کے آرام وراحت کا خوب خیال کرتیں، چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو جہاد پر جانے کی ترغیب نہیں دی تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا وہ عاتکہ کو طلاق دیں، ابتداءً تو کچھ زمانہ تک اس معاملہ کو ٹالتے رہے، جب والد محترم کا اصرار بڑھا تو حضرت

---

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

عاتکہؓ کو ایک طلاق دی، لیکن بیوی کی جدائیگی اور فراق ان کے لئے وبال جان بن گیا، انہوں نے ان کی ہجرو فراق پر یہ اشعار کہے:

أعاتک لا انساک ما ذر شارق		وما نا قمری الحمام المطوق

اے عاتکہ! جب تک سورج چمکتا رہے گا، اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا۔

أعاتک قلبی کل یوم ولیلة		إلیک بما تخفی النفوس معلق

اے عاتکہ! میرا دل شب و روز بصد ہزار شوق وتمنا تجھ سے لگا ہوا ہے

ولم أرم مثلی طلق الیوم مثلها		ولا مثلها فی غیر جرم تطلق

مجھے جیسے آدمی نے اس جیسی خاتون کو کبھی طلاق نہ دی ہوگی اور نہ اس جیسی خاتون کو بغیر گناہ طلاق دی جاتی۔ (اسد الغابۃ: عاتکہ بنت زید: ۱۸۱/۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابو بکرؓ بڑے رقیق القلب اور نرم خو واقع ہوئے، ان تک ان اشعار کی خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو رجعت کی اجازت مرحمت کی، (فرّق له أبوه و أمره بمراجعتها، ثم شهد مع رسول الله ﷺ غزاة فأصابه سهم فمات منه) (المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک: ۱۹۱/۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولی: ۱۴۱۲ھ) جس کے بعد وہ ہر غزوہ میں شریک ہونے لگے، ایک دفعہ وہ طائف کے محاصرے کے وقت دشمن کی تیر سے سخت مجروح اور زخمی ہو گئے، زخم تو اسی وقت بھر گیا، لیکن تیر کا زہر اندر ہی اندر رستا رہا، نبی کریم ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد (شوال: ۱۱ھ) کو یہ زخم عود کر آیا، اسی درد وتکلیف میں حضرت عبداللہؓ کی وفات ہوگئ، حضرت عاتکہؓ کو اپنے شوہر نامدار کی اس اچانک رحلت پر بڑا صدمہ ہوا، مرحوم خاوند کی طرح وہ بھی شعروشاعری پر خوب عبور اور درک رکھتی تھیں، نہایت ہی وجد کے ساتھ پُردرد مرثیہ کہا:

آلیت لا ینفک عینی حزینة		علیک ولا ینفک جلدی اغبرا

قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیرے غم میں مسلسل میری آنکھ روئے گی اور میرا جسم غبار آلود رہے گا۔

لله علینا من رأی مثله فتی		أکرواحمی فی الهیاج واصبرا

زہے قسمت اس آنکھ کی جس نے تجھ جیسا، جنگ جو اور ثابت قدم جوان دیکھا۔

إذا شرعت فیه الأسنة خاضها		إلی الموت حتی یدرک

جب اس پر تیر برستے ہیں تو ان کی بوچھاڑ میں گھستا ہوا، وہ موت تک اس کی طرف چلتا رہتا ہے یہاں

تک کہ اس کو پالیتا ہے۔

مدی الدهر حین غنت حمامة ایکة		وما ترد اللیل الصباح المنورا

جب تک کہ خون کی ندیاں نہ بہالیتا، زندگی بھر جب جنگلی کبوتر گنگنائے گا (روتی رہوں گی) اور جب تک رات پر صبح آتی رہے گی۔ (اسد الغابۃ: عاتکہ بنت زید: ۷/۱۸۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح:

ویسے عبد اللہ بن ابوبکر صدیق ؓ نے انہیں یہ کہہ کر کچھ مال دیا تھا کہ وہ ان کے بعد کسی سے نکاح نہیں کریں گی، ان کے انتقال کے بعد حضرت عمر ؓ نے یہ کہہ کر پیغام نکاح بھیجا کہ تم نے اپنے اوپر نکاح کے حوالے سے اللہ عزوجل کی حلال کردہ چیز کو حرام کیا ہے، عبد اللہ کے اہل کو ان کا مال واپس کردو اور مجھ سے نکاح کرلو، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے حضرت عاتکہ ؓ سے نکاح کرلیا۔

(الطبقات الکبری لابن سعد: عاتکہ بنت زید: ۸/۲۰۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دعوت ولیمہ میں حضرت علی ؓ بھی شریک تھے، انہوں نے حضرت عاتکہ ؓ کو اوپر ذکر کردہ مرثیہ کا پہلا شعر یاد دلایا تو وہ رونے لگیں "فبکت، فقال عمر: مادعاک إلی هذا یا أبا الحسن؟

(اسد الغابۃ: عاتکہ بنت زید: ۷/۱۸۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

لیکن حضرت عمر ؓ کی ان سے محبت اور تعلق بھی نہایت گہرا اور مثالی رہا، حضرت عمر ؓ نے بھی جام شہادت نوش کیا تو انہوں نے پھر ایک دردناک مرثیہ پڑھا:

وجسد لفّف فی أكفانه		رحمة الله علی ذاک الجسد

اور اس جسم کو جسے کفن میں لپیٹا گیا ہے، اس جسم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

فیه تفجیع لمولی غارم		لم یدعه الله یمشی بسبد

مقروض اور نادار عزیزوں کو اس کا صدمہ ہے۔

حضرت زبیر بن العوام ؓ سے نکاح

حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت کے بعد حضرت عاتکہ ؓ کا نکاح حواری رسول اللہ ﷺ حضرت زبیر بن العوام ؓ سے ہوا، انہوں نے جنگ جمل کے موقع پر ابن جرموز کے ہاتھ سے شہادت پائی تو حضرت عاتکہ ؓ فرط غم سے نڈھال ہوگئیں اور بے اختیار ان کی زبان پر یہ مرثیہ جاری ہوگیا۔

غدر ابن جرموز بفارس بهمة		يوم اللقاء وكان غير معرّد

ابن جرموز نے لڑائی کے دن ایک عالی ہمت شہسوار سے غداری کی اور غداری بھی ایسی حالت میں کہ وہ نہتا اور بے سروسامان تھا۔

يا عمرو، لو نبهته لوجدته		لا طائشا رعش الجنان ولا اليد

اے عمرو! اگر تو اس کو پہلے سے متنبہ کردیتا تو اس کو ایسا شخص پاتا کہ نہ اس کے دل میں خوف ہوتا نہ ہاتھ میں لرزہ۔

كم غمرة قد خاضها لم يثنه		عنها طرادك يا ابن فقع القردد

کتنے مصائب ہیں کہ وہ ان میں گھس گیا، اے بندریا کے بیٹے، تو اس کو جھکا سکا نہ پچھاڑ سکا۔

ثكلتك أمک ان ظفرت بمثله		ممن مضى، ممن يروح ويغتذى

تیری ماں تجھ پر روئے تو ان لوگوں پر جو گزر چکے ہیں اور جو زندہ ہیں، اس طرح غالب نہیں ہوسکا۔

والله ربک أن قتلت لمسلما		حلت عليک عقوبة المتعمد

خدا کی قسم تو نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا، تجھ پر ضرور اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا۔

(اسد الغابۃ: عاتکہ بنت زید: ۷/۱۸۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

پھر اس کے بعد ان کے یہاں حضرت علی بن ابی طالبؓ نے پیغام نکاح بھیجا، تو فرمایا: مجھے یہ ڈر ہے کہ آپ بھی قتل کردیئے جائیں، اور نکاح سے انکار کردیا، چنانچہ حضرت علیؓ کہا کرتے تھے کہ جس کو فوراً جامِ شہادت نوش کرنا ہو وہ عاتکہؓ سے نکاح کرے ''من أراد الشهادة الحاضرة فعليه بعاتكه''، وہ ایسے ہی حضرت معاویہؓ کے دورِ حکومت تک بیوگی کی حالت میں رہیں، بعض کے مطابق حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت کے ابتداء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۲۳، عاتکہ بنت زید، دار الفکر، بیروت)

گوشۂ سیرت

عشق نبوی کے تقاضے یہ بھی ہیں

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری نقشبندی*

ربیع الاوّل کا مہینہ آ گیا ہے اور اس ماہ مبارک میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت طیبہ کی مناسبت سے اظہار عقیدت ومحبت کے بے شمار مظاہر کا سلسلہ بھی جاری ہے، جلوس ومیلاد جیسی خلاف سنت رسوم سے قطعِ نظر، اگر صرف سیرت کے موضوع پر منعقد ہونے والے جلسوں کا جائزہ لیا جائے تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں کسی موضوع پر اتنی بڑی تعداد میں بیانات اور جلسے نہیں ہوتے ہوں گے جتنے سیرت نبوی کے موضوع پر ہوتے ہیں۔ پھر جس طرح یہ حقیقت ہے کہ جلوس ومیلاد جیسی مبتدعانہ رسوم، قابل ترک ہیں اسی طرح یہ بھی سچائی ہے کہ ہمارے جلسہ ہائے سیرت (بلکہ ہر موضوع کے جلسے) بھی بہت سے پہلوؤں سے اصلاح کے مستحق ہیں اور بلاشبہ ان امور پر توجہ دلانا بھی ضروری اور وقت کا تقاضا ہے اور علماء کرام اس تقاضے کی تکمیل بھی کسی نہ کسی درجے میں کرتے ہی ہیں؛ لیکن سردست ان امور پر گفتگو نہ کر کے یہ عرض کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بلاشبہ تقاضائے ایمان؛ بلکہ شرط تکمیل ایمان ہے، جس کا اظہار بھی لازم ہے؛ لیکن اس کے لیے سال کے متعینہ ایام میں جلسے جلوس یا دیگر مظاہر عقیدت کا اہتمام قطعاً کافی نہیں ہے اور اگر خلاف سنت ہو تو درست بھی نہیں ہے؛ بلکہ دراصل جو چیز ضروری ہے وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کو پہچاننا اور ان کی ادائیگی کے لیے سارے سال بلکہ ساری زندگی محنت کرنا ہے؛ واقعہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کا موضوع ایسا ہے جو ہم لوگوں نے بڑی حد تک نظر انداز کر رکھا ہے، جبکہ قرآن وحدیث میں بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے اور علماء امت نے کتب حدیث وسیرت میں بھی اس موضوع کا حق ادا کیا ہے اور مستقل اس موضوع پر بھی کتابیں لکھی ہیں، اس سلسلے میں جس کتاب کو بجا طور پر شہرت دوام حاصل ہے وہ قاضی عیاض مالکیؒ متوفی ۵۴۴ھ کی ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب اپنے موضوع پر سند اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے اس کے بعد بھی اس موضوع پر مختلف کام سامنے آئے ہیں بالخصوص ماضی قریب میں جب دشمنان اسلام کی جانب سے توہین رسالت کے واقعات پے در پے پیش آئے تو علماء کرام

* استاذ حدیث وفقہ الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم دیوبند

نے امت کو آپ ﷺ کے حقوق کی ادائیگی پر نئے سرے سے متوجہ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ظاہر ہے کہ ان سطور میں اس مبارک و وسیع موضوع پر کسی تفصیلی اظہار خیال کا امکان نہیں ہے؛ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کی کتابوں میں جو حقوق مصطفی ﷺ بیان کیے گئے ہیں ان میں سے نمایاں حقوق کا تذکرہ اجمالی انداز سے کر دیا جائے۔ان حقوق کی تعداد اور ترتیب مختلف کتب میں الگ الگ ہے اور قرآن و حدیث میں بھی یہ متفرق طور پر بیان ہوئے، سر دست ان میں سے دس حقوق کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

(۱) **الإیمان به:** یعنی آپ ﷺ پر ایمان لانا، یہ آپ کا سب سے پہلا حق ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اللہ رب العزت کی طرف سے جو کچھ بھی لے کر آئے اس کے ہر ہر جزء کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا، نیز آپ کی رسالت کو ساری دنیا کے لیے عام سمجھنا اور آپ کو آخری پیغمبر تسلیم کرنا۔

(۲) **محبته:** آپ ﷺ سے محبت کرنا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں سے، اپنے والدین سے، اپنی اولاد سے اور خود اپنی ذات سے جو محبت ہے اس سے بڑھ کر آپ سے محبت کرنا۔اس کے بغیر کسی بھی مسلمان کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا ہے۔ (۳) **اتباعه:** آپ ﷺ کا اتباع کرنا: یعنی اپنی زندگی کے ہر عمل میں طریقۂ نبوی کو اختیار کرنا، اپنی ہر خواہش کو شریعت کے تابع کر دینا اور عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت میں اپنے آپ کو سنت کے سانچے میں ڈھال لینا۔

(۴) **توقیره:** آپ ﷺ کا ادب کرنا: یہ حق بھی قرآن و حدیث میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، اس میں آپ ﷺ کی ذات اور آپ سے نسبت رکھنے والی تمام شخصیات اور اشیاء کا دل سے احترام داخل ہے جس کی مثالیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عملی نمونوں میں نمایاں ہیں۔

(۵) **الصلاۃ علیه:** آپ ﷺ پر درود بھیجنا، یہ بھی آپ کا ایک اہم اور لازمی حق ہے جس کی تاکید قرآنی آیات سے لے کر احادیث شریفہ تک پر زور انداز میں بیان کی گئی ہے۔

(۶) **الذب عنه:** آپ ﷺ کا دفاع کرنا: یہ بھی آپ کا ایک لازمی حق ہے بالخصوص ان اوقات میں جب دشمنانِ دین و انسانیت کی جانب سے آپ ﷺ کی اہانت کا جرم سامنے آئے تو اس کے جواب میں، دوسرے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ بے ادبی کے بغیر، نہایت قوت سے بھرپور طریقہ پر آپ ﷺ کا دفاع کرنا اس امت کا فریضہ ہے۔

(۷) **النصر لدینه:** آپ ﷺ کے دین کی مدد کرنا، اس میں دین کی تائید و تقویت اور نشر و اشاعت کی تمام کوششیں شامل ہیں۔

(۸) محبة أهل بيته: آپ ﷺ کے اہل بیت سے محبت کرنا، آں حضرت ﷺ کے تمام اہلِ بیت اطہار یعنی آپ کی ذریت مطہرہ اور ازواج مطہرات سے محبت بھی آپ کا حق اور ایمان کا تقاضا ہے اور اس میں بھی کوتاہی کرنا، بڑی محرومی کی بات ہے۔ (۹) محبة صحابته: آپ ﷺ کے صحابۂ کرامؓ سے محبت کرنا، یہ بھی آپ ہی کے حقوق میں آتا ہے؛ اس لیے کہ حدیث کی رُو سے صحابہؓ کی محبت بھی حب رسول ﷺ کی بنیاد پر ہوتی ہے اور صحابہ سے دل میں بغض یا میل رکھنا، آپ ﷺ سے بغض کی علامت ہے۔

(۱۰) موالاة أوليائه بغض أعدائه: آپ ﷺ سے محبت کرنے والوں سے رشتہ استوار رکھنا اور آپ کے دشمنوں سے بغض رکھنا۔

واضح رہے کہ آپ سے محبت کرنے والوں کی بنیادی پہچان اتباع سنت ہے۔ یہ دس امور کی ایک مختصر سی فہرست ہے جو اس وقت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہے، ان میں ہر ایک جزء پر قرآن وحدیث کے واضح دلائل موجود ہیں، جن کی تفصیل پیش کرنے کے لیے دوسری فرصت کا انتظار ہے۔ سردست تو یہ عرض کرنا ہے کہ امت مسلمہ اگر اپنے حال و مستقبل کو درست کرنے اور رکھنے کے لیے واقعی سنجیدہ ہے تو اسے اپنی خواہشات یا رسوم ورواج کو خیرباد کہہ کر سنت کے اس راستے پر آنا چاہیے اور اپنے اور انسانیت کے سب سے بڑے محسن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا حقوق کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہوجانا چاہیے۔

(بقیہ صفحہ ۴۸ سے) ناجائز اسلحے برآمد ہوں، بم پھٹتے ہوں، ہر وقت پولیس کو چوکس رہنا پڑتا ہو، گرفتاریاں ہوتی رہتی ہوں، اس کو امن وشانتی کی جگہ کہا جائے یا کم از کم یہ کہ اس کے بارے میں زبان تک نہ ہلائی جائے۔ موجودہ حالات پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

جس نے لوٹا تھا اس کو سلامی ملی
ہم لُٹے ہیں ہم کو جرم بنادیا گیا
مست آنکھوں پے الزام آیا نہیں
ہم پے لگتی رہیں تہمتیں بن پیئے

اس وقت میڈیا اپنی پوری توانائی اس پر صرف کر رہا ہے کہ اسلام دہشت گردی سکھاتا ہے، مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے مسلمان دہشت گرد ہوتا ہے اور اپنے گریبان میں نہیں جھانکتا کہ وہ خود سب سے بڑا دہشت گرد ہے، ہم وطنوں میں نفرت کے بیج بو کر ملک کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔

اصلاحی مضامین

موجودہ نظام معیشت اور اسلامی نظام

ازقلم: مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگر*

اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے، اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی دنیاوی فلاح ہو یا اخروی بہبود کا انحصار اسلام ہی کی پیروی میں ہے؛ اسلام ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کا اصل مقصود آخرت میں انسان کو کامیابی سے ہم کنار کرنا ہے، غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تمام مذاہب عالم میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے انسان کو اس دنیاوی زندگی کے تمام مراحل میں —— خواہ اجتماعی ہوں یا انفرادی، سماجی ہوں یا سیاسی معاشی ہوں یا معاشرتی —— ہر چیز کی مکمل راہ نمائی کی ہے، بالخصوص معیشت کے تئیں —— جس پر انسانیت کی بقا کا مدار ہے —— جس قدر بہترین اور معتدل نظام اسلام نے پیش کیا ہے اس کی نظیر دیگر مذاہب میں عنقا ہے، قبل اس کے کہ ہم اسلامی نظام معیشت کے مقاصد وفوائد پر مطلع ہوں، رائج الوقت نظام معیشت کے مفاسد ومضرات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تاکہ "الاشیاء تتبین باضدادھا" (اشیاء اپنی ضدوں کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں) کے تحت بہتر طریقے سے ہم اسلامی نظام معیشت کے فوائد کو سمجھ سکیں گے۔

اس وقت دنیا میں جو نظام معیشت رائج ہیں وہ دو طرح کے ہیں:

(۱) سرمایہ دارانہ نظام (capitalism)　　(۲) اشتراکیت کا نظام (socialism)

سرمایہ دارانہ نظام میں بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان سرمائے کا خودمختار مالک ہے، تمام تر سرمایہ حتیٰ کہ انسانی ضروریات وحوائج پر بھی اسی کو بے لاگ تصرف کا اختیار حاصل ہے، وہ جب چاہے جس طرح چاہے پیداوار اور مال کی مارکیٹنگ کرے، اور جن لوگوں کے ساتھ چاہے حسب منشا شرائط لگا کر معاملہ کرے، اور اشیاء کی قیمتوں میں جتنی چاہے کمی بیشی کرے، اس نظام میں اس کے تصرف پر کوئی لگام یا حکومتی وریاستی سطح پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہوتی یا اگر ہوتی بھی ہے تو ایسی جزوی اور محدود پابندیاں ہوتی ہیں جو سرمایہ دار لوگوں کو ان کی من مانیوں سے روکنے میں کسی بھی درجے میں کارگر نہیں ہیں، اس نظام میں سرمایہ ہی اصل چیز ہے اور سرمایہ ہی کے تحفظ کے لیے تبادلۂ دولت، تقسیم دولت، اور صرفِ دولت کے قوانین وضع کیے جاتے ہیں، ارباب اقتدار سے

* استاد شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

لے کر عوام الناس تک سبھی اس نظام میں سرمائے کی حفاظت کا کام کرتے ہیں اور رہی انسانیت جس کے وجود کا مقصود ہی دنیاوی سرمائے سے انتفاع ہے اس نظام کے تلے دم توڑتی ہے،اس نظامِ بد کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ساری دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں رہ گئی اور سرمایہ دار لوگ مال اور سرمائے کی بڑھوتری کے لئے سود وسٹہ پر مبنی کاروبار کو اور مذموم مقاصد سے ذخیرہ اندوزی، گراں بازاری کے فاسد معاملات کو خوب فروغ دینے لگے، اور بے چاری عوام اور مزدور طبقہ مالی اعتبار سے ترقی تو کیا کرتا اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل بھی بمشکل کر پاتا ہے۔

اشتراکیت: سابقہ نظام کے مضرت رساں اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ ارباب دانش نے ایک نئے نظام معیشت اشتراکیت کو وجود بخشا؛ سرمایہ دارانہ نظام نے کہا تھا کہ انسان بحیثیت فرد تمام زرعی پیداوار کا مالک ہے؛ تو "اشتراکیت" نے یہ تصور پیش کیا کہ زمینوں، کارخانوں کو سرمایہ دار اور جاگیردار لوگوں کے چنگل سے آزاد کر کے ایک کمیٹی تشکیل دو اور تمام صنعتیں اور کاروباریاں انفرادی املاک سے نکال کر ان کے حوالے کر دو، پھر یہ کمیٹی حالات کے تناظر میں ایک منصوبہ بند معیشت کی بنیاد ڈالے گی، پھر یہ طے کرے گی کہ کیا چیز پیدا کرنی ہے؟ اور کتنی مقدار میں پیدا کرنی ہے؟ اور یہی لوگ مزدوروں کو استعمال کر کے پیداوار حاصل کریں گے اور اس کو ایک تناسب کے ساتھ ان محنت کش عوام اور مزدوروں میں تقسیم کریں گے، یہ نظام بظاہر انسانیت کا حامی اور مزدوروں کا مسیحا بن کر سامنے آیا مگر یہ نظام پچھلے نظام سے پیدا شدہ مسائل کو حل تو کیا کرتا، کچھ نئے مسائل کو لا کھڑا کر دیا جن سے انیس بیس کے تفاوت کے ساتھ غریب پرور طبقے کو نقصان ہی ہوا۔

ان دونوں نظاموں کے بالمقابل نہایت ہی متوازن اور انصاف پر مبنی اور ہر طرح سے انسانیت کے لیے انفع اسلام کا نظام معیشت ہے، اسلام نے معاشی زندگی کے تمام مراحل میں مکمل ہدایات عطا کرنے کے ساتھ ساتھ معاشیات کی حقیقت اور ان کی مکمل تعریف بیان کرتے ہوئے قومیت و مذہبیت ذات پات اور برادری کے امتیاز کے بغیر سب کے لئے بہترین اقتصادی اور معاشی نظام کو متعارف کروایا ہے، موجودہ نظام معیشت میں سرمائے کو بنیادی حیثیت دے کر انسان کو اس کی حفاظت کا ضامن بنا گیا تھا مگر اسلام نے قدرت کے اس تصور کو سامنے رکھتے ہوئے کہ" عالم کی تسخیر بنی آدم کے اکرام میں ہے" انسان کو اصل قرار دیا اور جو کچھ قوانین اور شرائط مرتب کیے اس میں خالص انسانیت کے فائدے کو پیش نظر رکھا۔

اولاً تو اسلام یہ کہتا ہے کہ اس کائنات کے ذرے ذرے کی اصل ملک اس مالک حقیقی کو حاصل ہے جو سب چیزوں کا خالق ہے،" للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض (البقرہ) یعنی زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملک ہے، اور اس ذاتِ عالی نے اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کے لیے بندوں کو ہر

چیز کی ملکیتِ مجازی دے رکھی ہے،" اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ " (الأعراف ۱۲۸) یعنی زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بطور وراثت کے (فائدہ اٹھانے کے لئے) دے دیتا ہے، جب ہر چیز اللہ کی ملک ہے تو اس کا استعمال بھی اللہ کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے، لہذا ان مجازی مالکوں کو چاہیے کہ وہ اس مال کے استعمال میں دوسروں پر ظلم وستم اور فساد برپا کرنے کے بجائے اللہ کی رضا اور آخرت میں حصول درجات کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت وامانت سے اس کے بندوں کو حسب مقدور فائدہ پہنچائیں، جیسا کہ فرمایا: "وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ .(القصص: ۷۷) اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر، اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول، اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے، اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

موجودہ نظام معیشت کی خرابیوں اور نقصانات کے اسباب پر نظر ڈالی جائے تو بنیادی طور پر چار باتیں سامنے آتی ہیں؛ سود، سٹہ، احتکار، واکتناز۔

اسلام نے سود، قمار، سٹہ بازی کے ناجائز معاملات پر قدغن لگاتے ہوئے واضح اعلان کردیا کہ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ " (النساء: ۲۹) یعنی اے ایمان والو! اپنے مالوں کو باہم ناحق طور پر مت کھاؤ۔ سودی نظام کا انسداد کرتے ہوئے فرمایا: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ: ۲۷۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام قرار دیا ہے۔

اور اکتناز (concentration) یعنی مال و دولت کو جمع کرنے، اور اس کو اپنے قبضے میں لینے اور ضرورت کے وقت خرچ نہ کرنے والوں کو "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ: ۳۴) "اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے" جیسی وعیدیں سنائی، اور احتکار (Hoarding) کرنے والوں کو یعنی زمین دار اور تاجر لوگ جو کہ پیداوار کو گرانی اور قیمت کی بڑھوتری کے لیے اسٹاک کر کے رکھتے ہیں بزبان رسول یہ بد دعا سنائی" ضربه الله بالافلاس او بجذام (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۳) (کہ اللہ ایسے شخص کو مفلسی اور جذام میں مبتلا کرے)۔ اور اجارہ داری جس میں ایک مخصوص طبقہ تجارتی اموال اور زمینی پیداوار پر غاصبانہ تسلط حاصل کر لیتا ہے اور کسانوں، تاجروں اور کاریگروں سے پیداوار اور چیزوں کو کم قیمت پر خرید خرید کر اپنی من مانی قیمتوں میں کاروبار کرتا ہے ان کو ان الفاظ میں منع

کیا۔"نهى أن تتلقى السلع حتى تبلغ الأسواق، وفي رواية عنه: نهى عن تلقي البيوع، وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ: نهى أن يتلقى الجلب" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارتی قافلوں سے پیشگی ملنے سے منع فرمایا ہے۔

اور سٹہ بازی (speculation) جس میں سراسر دھوکہ ہوتا ہے اور جھوٹی امیدوں کی بنیاد پر معاملات طئے ہوتے ہیں تو اس طرح کے معاملات پر اسلام نے "وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ " باہم اپنے مال ناحق طور پر مت کھاؤ] فرما کر اس قسم کے دھوکہ دہی پر مبنی معاملات کو باطل قرار دیا۔ اور" لا تبغ ماليس عندك (رواہ الترمذی:1232) یعنی جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کو طلب مت کرو) کی مہر چسپاں کر دی۔

نیز اسلام نے آمدنی کے ناجائز ذرائع پر پابندی لگانے کے علاوہ مالداروں سے غرباء و مساکین تک دولت کو پہنچانے کے لیے ان پر سالانہ زکوٰۃ وغیرہ واجبات مقرر کیے جن کو حکومتی طور پر جبراً وصول کیا جا سکتا ہے، زکوٰۃ کے علاوہ قربانی، کفارات، نفقات، وصایا اور مواریث کی شکل میں چھوٹی بڑی مالی مدیں بھی قائم کیں تاکہ مال کی ریل پیل صرف مالداروں کے بیچ ہی نہ ہو جس کو قرآن نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا ہے" کی لا يكون دولة بين الاغنياء منكم " (الحشر) (۔۔۔تاکہ مال کی ریل پیل تمہارے مالداروں کے درمیان ہی نہ ہوتی رہے) اور ساتھ ہی ساتھ" وانفقوا مما رزقناكم ": {ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو} جیسے نصوص سے مالداروں کو غریبوں پر خوب خرچ کرنے اور امت کے نادار طبقہ کو مال و دولت سے فائدہ پہنچانے کی ترغیب دی، اور موجودہ باطل و ظالمانہ نظام معیشت کے مقابلے اسلام میں شرکت و مضاربت اور مختلف نوع کے تجارتوں کی ایسی عمدہ اور حلال شکلیں پیش کی گئی ہیں کہ جن کے نفاذ سے سارا سرمایہ ایک جگہ جمع ہونے اور دولت پر ایک مخصوص طبقہ کی اجارہ داری ہونے، اور دولت کی فراوانی کے لیے نت نئی سودی شکلوں کے وجود میں لانے کے بجائے شرکاء و عاملین اور محنت کش مزدوروں کو اپنی محنت کے بقدر دولت سے انتفاع کا پورا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔

الغرض اسلام کے معاشی نظام کی یہ خاصیت ہے کہ وہ طبیعتوں میں بلندی، ذہنوں میں وسعت، اور دلوں میں خلق خدا سے محبت پیدا کرتا ہے، وہ دولت جمع کرنے، یا تعیّش کی زندگی اختیار کرنے کے بجائے ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اسلام کے معاشی نظام کو صحیح طور سے قرآن پاک کی روشنی میں جو سمجھ لیتا ہے، اسے غریبوں، مسکینوں، اور مصیبت زدہ انسانوں کے آنسو پونچھنے میں جو مزہ آتا ہے، اسے کوئی دوسرا کیا جانے!

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی نظام معیشت سے انسانیت کو نفع رسانی کا کام کرنے کی سعادت عطا فرمائے آمین۔

اصلاحی مضامین

دینی مدارس انسانیت کی فلاح وبہبود کے سرچشمے

از: مولانا عبدالعزیز صاحب قاسمی*

ہماری آج کی دنیا جن طوفانی حوادث اور انسانی برادری کی تباہ کاریوں کے دور سے گذر رہی ہے عقل وفہم اور علم وفراست رکھنے والوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے صرف ایک دن کی اخباری خبریں کافی ہیں لیکن ان حوادث وتباہ کن حالات پر غور کرنے، ان کے حقیقی اسباب ومحرکات کو معلوم کرنے اور اس کا اعتراف کرنے اور پھران کے ازالہ ومداوا کرنے کے سلسلہ میں سوچنے اور فکر کرنے والے لوگ دور دور تک نظر نہیں آتے۔ بلکہ اگر اس کی کچھ لوگ فکر کرتے ہیں، تو الٹے انھیں کو مجرم ٹھہرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور کوشش ہی نہیں بلکہ ان سے ایسا ڈرایا جاتا ہے جیسے پچھاڑ کھانے والے درندوں، زہریلے سانپوں اور بچھوؤں سے ڈرایا جاتا ہے، جو لوگ انسانوں میں انسانیت کی جوت جگانے، ایک دوسرے سے پیار ومحبت کرنے، ایک دوسرے کے رنج وغم میں شریک ہونے کی تعلیم دیتے ہیں، اچھے اخلاق سکھانے اور اچھا سماج بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کام کے لئے جگہ جگہ مدرسے قائم کر رکھے ہیں، انھیں کے کام کو تخریب کاری اور فساد پھیلانے اور دہشت گردسے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان دینی مدرسوں کا پہلا کام سماج کے لئے ایسے انسان تیار کرنا ہوتا ہے جن کو انسانوں سے محبت ہو، وہ ان کی بھلائی اور سکون واطمینان پیدا کرنے والی باتوں کو رواج دیں، ان کے اخلاق اچھے ہوں، وہ سچے ہوں اور سچائی کا سبق سکھاتے ہوں، ان کے اندر کمزوروں کی مدد کرنے کا شوق اور جذبہ ہو، وہ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں، ان کے ذہنوں میں خدا کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد تازہ ہو ’’الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من في الارض یرحمکم من في السماء‘‘ (ترمذی، ابوداؤد) (رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحمت بھیجتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا)۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ نے ہر جاندار اور مخلوق کے ساتھ رحم ومحبت کا حکم دیا، آپ نے فرمایا" الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (بیہقی فی شعب الایمان) (مخلوق اللہ کی عیال (کنبہ ہے تو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ومخلوق ہے جو اس کے عیال (کنبہ کے ساتھ حسن سلوک کرے)۔ اعلیٰ اقدار کی حامل اسی طرح کی

* مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم اننت پور

بہت سی چیز میں مدرسوں میں بتائی اور سکھائی جاتی ہیں، مدرسہ کی تعلیم ظلم وزیادتی سے روکتی اور اس کے خطرناک نتائج سے ڈراتی ہے، جو انسانوں کی تباہی کا سبب بنتے ہیں، دوست تو دوست دشمنوں تک کے ساتھ انصاف کرنے کا مدرسہ سبق پڑھاتا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اِعْدِلُوْا ۖ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ:۸) (اور کسی قوم کی عداوت تم کو اس گناہ پر آمادہ نہ کردے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو ہم ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو تقویٰ کی شان کے یہی زیادہ مناسب ہے)۔

یہ ہے بہت مختصر بلکہ خلاصۃ الخلاصہ مدرسہ کے اس کام کا، جس میں پوری انسانیت بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساری مخلوق کی راحت کا سامان ہے اور آج معاشرہ میں اسی کے نہ ہونے سے پوری دنیا میں قتل وخونریزی کا بازار گرم ہے اور انسانی جانوں کی قیمت کیڑے مکوڑوں کے برابر بھی نہیں رہ گئی ہے فحش کاری اور بے حیائی نے جانوروں کو بھی مات دے دی ہے۔ مگر یہ کتنی حیرت ناک بات ہے کہ انسانیت کا سبق پڑھانے والے انھیں مدارس کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں، حد یہ ہے کہ اچھے اخلاق پھیلانے والے اور دہشت و بربریت سے روکنے کی جتن کرنے والے انھیں مدرسوں کو دہشت گردی کی تربیت گاہ بتایا جارہا ہے۔ کیا برسہا برس تک سری لنکا میں جو کچھ ہوا، یہ کرنے والے لوگ مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے، برما میں ظلم و جور کے جو پہاڑ مسلمانوں پر توڑے گئے، کیا یہ ظلم کرنے والے مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے؟ امریکہ وافریقہ میں سیاہ فاموں کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا ہے کیا یہ لوگ مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے اور ہیں؟ فلسطینیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ برسہا برس سے توڑے جارہے ہیں کیا یہ ظلم کرنے والے لوگ کسی مدرسہ کے تربیت یافتہ ہیں؟ بوسنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا کیا یہ خون بہانے والے مدرسہ کے پڑھے ہوئے لوگ تھے؟ روسی مسلمانوں کے ساتھ ستر سال تک جو سلوک کیا گیا کیا یہ سب لوگ مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے؟ اور جو دو عظیم جنگیں ہوئی ہیں جن میں بے شمار جانیں گئی ہیں کیا یہ جنگ کرنے والے لوگ کسی مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے؟ ہیروشیما اور اس سے قبل جلیان والا باغ میں جو کچھ ہوا ہے کیا یہ سب مدارس کے فارغ لوگ تھے؟ اور ہمارے ملک میں جو رہ رہ کر ایک طوفان سا اٹھتا رہتا ہے، عزتیں لُٹتی ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں، املاک و جائداد میں جلا کر خاک کردی جاتی ہیں اور حد یہ ہے کہ بسا اوقات خود وہ لوگ اس میں پورے دھیان اور توجہ کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں جو حفاظت کے لئے متعین ہوتے ہیں، آنکھ میں دھول جھونکنے کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے!!! جس جگہ اگر سانپ نکل آئے تو مارنے کے لئے ڈنڈا بھی نہ ملے اور جس جگہ پولیس وانتظامیہ کے لوگ آکر یہ کہیں کہ یہاں آکر آتما کو بڑا سکون ملتا ہے، اس کو تو دہشت گردی کی تربیت گاہ کہا جائے اور جہاں قتل کے واقعات ہوں، ۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۴۲ پر)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی ندیم الدین قاسمی*

نئے مکان کی بنیادوں پر خون ڈالنا

سوال: بعض مسلمان نئے مکانات کی تعمیر کے وقت بنیادوں پر خون ڈالتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا گناہ ہے؟

جواب: ہاں! یہ گناہ کبیرہ ہے، ہندوؤں اور بت پرستوں کا عقیدہ اور شعار ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ (محقق ومدلل جدید مسائل ۱/ ۸۰)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلسے جلوس کرنا

سوال: ہر سال ماہ ربیع الاول میں "سیرت النبی" کے عنوان سے جلسے جلوس کئے جاتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان پر جلسے جلوس کرنا شرعا جائز ہے؛ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے مسلمانوں کو مطلع کرنا، جس کے ذریعہ زندگی مطابق سنت ہو اور دین کی پابندی کا شوق پیدا ہو، اسلام کا اہم ترین فریضہ اور موجب اجر وثواب ہے بشرطیکہ التزام مالا یلزم اور کوئی عمل خلاف شرع نہ ہو؛ مثلاً زمان ومکان کی تخصیص کرنا اور یہ خیال کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفل میں تشریف لاتے ہیں، اس لئے آپ کی تعظیم میں قیام کرنا وغیرہ؛ کیوں کہ یہ بدعت اور نص صریح کے خلاف ہے۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/ ۹۲)

ترجمہ وتفسیر قرآن کو بلا وضو چھونا

سوال: ترجمہ وتفسیر قرآن، کتب احادیث اور کتب فقہیہ کو بلا وضو چھونا کیسا ہے؟

جواب: قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر؛ خواہ کسی بھی زبان میں ہو اسی طرح کتب احادیث اور کتب فقہیہ کو بلا وضو چھونا مکروہ ہے۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/ ۱۲۳)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

مدرسہ کی رسید ضائع ہوجانے پر ضمان

سوال: مدرسہ کی رسید اگر ضائع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: مدرسہ کی رسید بطور امانت کے ہے، لہٰذا اگر غفلت وکوتاہی کی وجہ سے مدرسہ کی رسید ضائع ہوجائے تو آدمی ضائع شدہ رسید کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ (مستفاد از: کتاب النوازل، ۱۲/ ۱۴۳)

بغیر قبضہ کے زبانی ہبہ

سوال: اگر کسی نے اپنا مکان ہبہ کر دیا؛ لیکن قبضہ نہیں دیا تو کیا یہ ہبہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبضہ کے بغیر ہبہ مکمل نہیں ہوتا۔ (کتاب النوازل ۱۲/ ۱۵۳)

کیا ملکیت کے لئے سرکاری رجسٹری ضروری ہے؟

سوال: کیا مالک بننے کے لئے سرکاری بیع نامہ ضروری ہے یا واہب کا ہبہ کر دینا اور قبضہ دیدینا کافی ہے؟

جواب: سرکاری رجسٹری ضروری نہیں؛ بلکہ ہبہ اور قبضہ سے ملکیت تام ہوجاتی ہے۔

(کتاب النوازل، ۱۲/۱۵۶)

محفل میلاد میں قیام وسلام

سوال: محفل میلاد میں قیام کرنا اور اشعار پڑھ کر سلام پیش کرنا کیسا ہے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ اور سیرت طیبہ کا مذاکرہ یقیناً باعث سعادت اور باعث اجر و ثواب ہے، لیکن ولادت شریفہ کے ذکر کے وقت اس عقیدہ کے ساتھ کھڑا ہونا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہو چکے ہیں ناجائز ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲/ ۲۷۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین مومن تھے یا نہیں؟

جواب: اس سلسلہ میں ائمہ اور فقہاء کے درمیان اختلاف چلا آرہا ہے (یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں جس پر دین کا دارمدار ہو) اس لئے اس سلسلہ میں خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ (مستفاد از: فتاوی قاسمیہ، ۲/ ۱۴۷)

ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-

RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/20-22

Date of Publication 3rd Oct-22, date of Posting 5th Oct-22
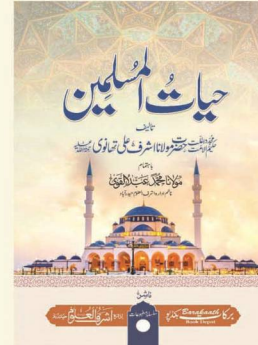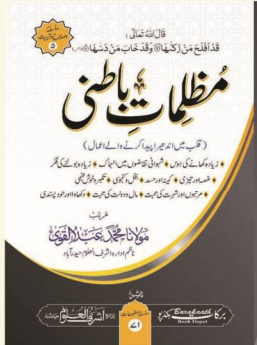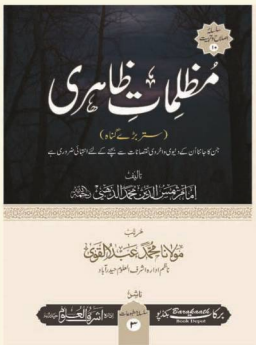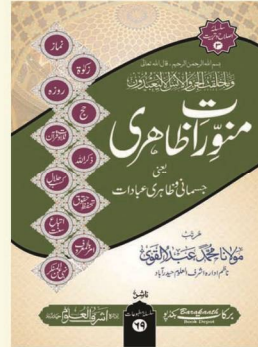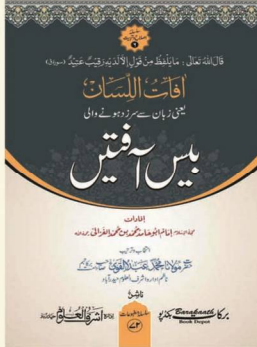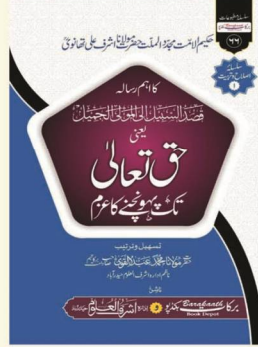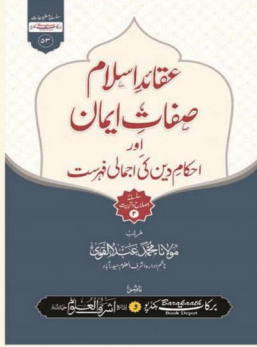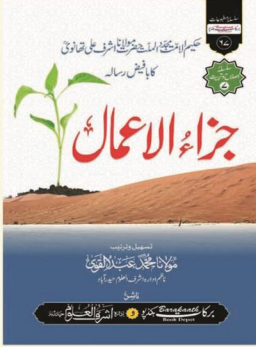
Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59